ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوّت

ملتان

مارچ ۱۹۹۰

مولانا
حق نواز
جھنگوی

شہداءِ ناموس
اصحابِ رسول علیہم السّلام

حکیم فیض عالم صدّیقی

مولانا احسان اللہ فاروقی

مولانا سیّد منظور الحسن ہمدانی

مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی

علامہ احسان الٰہی ظہیر

رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوۃ [شعبۂ تبلیغ] عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

افکارِ احرار :

اظہارِ حق

"حق بات کہنے سے کبھی گریز نہ کرو خواہ تمہارے سر پر تلوار ہی کیوں نہ لٹک رہی ہو؟ کیا تم موت سے ڈرتے ہو، حالانکہ ربِّ کائنات نے موت کا ایک دن اور ایک وقت مقرّر کر دیا ہے پھر موت سے ڈر کر سچّی بات کہنے میں ہچکچاہٹ اختیار کرنا انتہائی بُزدلی اور ایمان کی کمزوری ہے۔ کمزور اور بُزدل قوم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ زمین کی پیٹھ کا بوجھ بن کر زندہ رہے، کمزوری اور ضعیف ایمان ایسا گھُن ہے جو اندر ہی اندر قوم کو کھا جاتا ہے۔ مشکلات کے راستے سے ڈر کر اللہ کے راستے سے فرار اختیار کرنا بغاوت ہے اور باغی کی سزا تم جانتے ہی ہو، کیا تم چاہتے کہ تمہارا حشر بھی وہی ہو جو تم سے پہلی قوموں کا ہوا ہے، کیا کھنڈرات میں ڈھلی ہوئی بستیاں جو قہرِ خداوندی کا نشانہ بنیں اور صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئیں، تمہاری عبرت کے لئے کم ھیں؟ جہاد ایمان کی رُوح ہے اور جہاد دین کا ستون، جہاد سے انکار کفر ہے اور کفر ظلمتِ قلب، دِل سیاہ ہو تو انسان انسانیت کے دائرے سے نکل جاتا ہے، دِل کی بستی تاریک ہو تو انسان خدا کو بھُول کر عیش و عشرت میں کھو جاتا ہے دِل ہی ظلمت نگر ہو تو تیغ و سناں جو انسان کے زیور ھیں، انکی جگہ طاؤس و رُباب لے لیتے ھیں —— جب قومیں طاؤس و رُباب کی رسیا ہو جاتی ھیں تو مٹ جاتی ھیں اور انکی تباہی دُوسروں کے لئے عبرت کا درس بن جاتی ہے۔"

بانئ احرار امیرِ شریعت
سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوۃ ملتان

رئیس التحریر: ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری

مدیر: سید محمد کفیل بخاری

بابت ماہ: شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ — مارچ ۱۹۹۰ء جلد ۱ شمارہ ۳

سرپرستانِ اکابر:

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہٗ

مولانا محمد عبداللہ مدظلہٗ

مولانا محمد اسحٰق صدیقی مدظلہٗ

مولانا عنایت اللہ چشتی مدظلہٗ

مولانا حکیم محمود احمد ظفر مدظلہٗ

مولانا محمد عبدالحق مدظلہٗ

حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہٗ

رفقائے فکر

سید عطاء المؤمن بخاری

سید محمد ارشد بخاری

سید عطاء المہیمن بخاری

سید خالد مسعود گیلانی

سید عبدالکبیر بخاری

عبداللطیف خالد ○ اختر جنجوا

سید محمد ذوالکفل بخاری

عمر فاروق ملر ○ محمود شاہد

قمر الحسنین ○ بدر منیر احرار

زرِ معاونت اندرونِ ملک، بیرونِ ملک

فی پرچہ : ۵/۰۰ روپے

زر سالانہ : ۵۰/۰۰ روپے

سعودی عرب، عرب امارات

مسقط، بحرین، عراق، ایران

مصر، کویت، بنگلہ دیش، انڈیا

امریکہ، برطانیہ، تھائی لینڈ

ہانگ کانگ، برما، نائیجیریا

جنوبی افریقہ، شمالی افریقہ

سالانہ ۳۰۰/۰۰ روپے

ناشر: سید محمد کفیل بخاری۔ پرنٹر: تشکیل احمد اختر۔ مطبع: تشکیل نو پرنٹرز، پرانی غلہ منڈی ملتان۔ مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان

آئینۂ سخن

دل کی بات	رئیس التحریر	۳
فیقرِ عالی وقار	مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی	۱۱
نرم گرم	ابو اسامہ	۱۸
اسلامی نظام میں حاکمیت اعلیٰ کا تصور۔	پروفیسر خالد شبیر احمد	۲۰
گاہے گاہے باز خواں	محمد کفیل بخاری	۲۹
وفاقی وزیرِ دفاع کی وضاحت	(ادارہ)	۳۱
پاکستان میں نفاذِ شریعت اور فکرِ جدید (آخری قسط)	مولانا محمد اسحٰق صدیقی	۳۲
زبان میری ہے بات اُن کی	خادم حسین	۴۱
اظہارِ حقیقت (آخری قسط)	مولانا عبدالحق	۴۴
سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	عبدالستار جھنگوی	۵۲
امتِ مسلمہ کے لیے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی دینی خدمات۔	پروفیسر عابد صدیق	۵۷
کیا احسان احمد سحر مرزائی ہیں	احمد علی محمودی	۶۳
قریہ قریہ سوگوار، شہر شہر احتجاج	(نمائندۂ خصوصی)	۶۴
سید عطاء المؤمن بخاری مدظلہٗ کا دورہ میانوالی و تلہ گنگ۔	(واصف رومان)	۶۹

دل کی بات

شہیدِ ناموسِ صحابہ مولانا حق نواز جھنگوی رحمۃ اللہ علیہ

آسماں را حق بُود گر خُوں ببارد بر زمیں
"بر شہادت حق نوازِ حق نما و حق مُبیں"

۲۵ رجب (۲۲ فروری ۱۹۹۰ء) کا سُورج کیا غروب ہوا کہ تاریکیوں کا طوفانِ بدتمیزی گمبھیر ہو گیا ایسا اندھیرا چھایا کہ انسانوں کے دِل تاریک ہو گئے شرافت ضمیر کی ظلمتوں میں دُب کے رہ گئی، اخلاق درندگی کی وحشتوں کے سامنے تھر تھر کانپنے لگے، وحشتوں نے انسانیت کا گھیراؤ کر لیا اور انسانیت کراہتے اور سسکتے دَم توڑ گئی۔ مولانا حق نواز جھنگوی کو جنگل کے باسیوں نے شہید کر دیا۔

اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُوْن ط

ذوقِ ستم جنوں کی حدوں سے گزر گیا
کم ظرف زِندہ رہ گئے، اِنسان مر گیا

اہلِ سُنّت والجماعت کا آفتاب گہنا گیا، اہلِ سنت والجماعت کا ہر فرد غم واندوہ کی کھائیوں میں گم تصویرِ حیرت بنا کھڑا ہے انجمن سپاہ صحابہ کے جوانوں کے دِل خُون کے آنسو رو تے ہیں وہ غم، غصہ اور انتقام کی تپتی آگ میں جل رہے ہیں رو، رو کر چیخ چیخ کر حق نواز کو پکار تے ہیں، حق نواز تو کہاں چلا گیا ہم سب کو سوگوار و بے سہارا چھوڑ کر، حق .... حق ..... حق نواز سُن ہم تمہیں پکار رہے ہیں .... ہماری صدائے غم سُن لوٹ آ، خُدارا پلٹ آ، پلٹ آ ...... حق نواز کے بچوں کی آہ وبکا، نالہ و شیون بیوہ کے بین اور عرش ہلا دینے والی فریاد سُنی جاتی ہے نہ سنائی جا سکتی ہے حالتِ غم اور جُدائی کا صدمہ بھلا لفظ اسکے بیان کے کیسے متحمل ہو سکتے ہیں اور مولانا حق نواز کی شہادت کا زخم تو اہلِ سنت والجماعت کے بہت سے زخم ہرے کر گیا، حکیم فیض عالم صدیقی علامہ احسان الٰہی ظہیر، مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی، مولانا احسان اللہ، مولانا سید منظور الحسن ھمدانی —— یہ سب جیالے عجمی مشرکوں کی سازشں کا شکار ہوئے۔

پاکستان میں قانون نافذ کرنیوالے ادارے اندھے بہرے اور گونگے ہو کر رہ گئے ان میں سے کسی کا قصاص نہیں لیا گیا، ان میں سے کسی کے قاتل گرفتار نہیں کئے گئے، ان میں کسی کے وارثوں کی اشک شوئی نہیں کی گئی، ان میں سے کسی کے وارثوں کو اب اُمید تک بھی نہیں کہ کوئی سی حکومت عدل وانصاف قائم کرے گی۔ اور ان بے گناہ مظلوموں کی دادرسی وحق رسی ہوگی! ایسے ہولناک واقعات اور ایسے بہیمانہ قتل اور ایسی المناک اموات دل ودماغ کو ماضی کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ میں کھلی آنکھوں اپنا ماضی دیکھ رہا ہوں کہ سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ مدینۃ الرسول میں اپنے ہی دورِ خلافت میں محصور ہیں اور اپنے ہی گھر کی چار دیواری میں محبوس ہیں پانی روٹی سب بند ـــــ اسی حالت میں قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ لاش تین دن بے گور وکفن پڑی رہتی ہے اور قانون نافذ کرنے والے ادارے قانون نافذ نہیں کر سکے تھے۔ تب بھی عجمی مُشرکوں نے طوفان بدتمیزی برپا کیا ہوا تھا۔ آج بھی عجم کے مشرکوں کی سازشس، دھن، دھونس، اور دھاندلی کے مشرکانہ ہتھکنڈوں سے اہلِ حق کا ناحق خون بہایا جا رہا ہے لیکن خون بہا تک نہیں دیا جاتا تب سیدنا مُعاویہ رضی اللہ عنہ نے قاتلینِ عثمان سے قصاص لیا اور سیدنا عثمان شہید کا خون بہا وارثوں کو ادا کیا آج بھی کوئی وارثِ معاویہ رض ہی مولانا حق نواز کا قصاص لے گا اور قاتلینِ حق نواز کو کیفرِ کردار تک پہنچائے گا پھر مولانا حق نواز کی شہادت کا دن بھی تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے قریب تر ہے موجودہ وفاقی وصوبائی حکومتیں جن استبدادی طریقوں سے اپنی اپنی حکومتوں کی بقاء واستحکام کی سرد جنگ لڑ رہی ہیں ان سے کسی انصاف کی توقع نہیں کی جا سکتی لیکن پنجاب حکومت جو پنجاب میں حق وصداقت کا ڈنکا بجانے کی دعویدار ہے اس سے ایک ہی سوال ہے کہ مولانا حق نواز رحمۃ اللہ علیہ سمیت پنجاب میں یہ ۱۱ وان قتل ہے حکومتِ پنجاب کا عدل وانصاف کا دعویٰ کیا ہوا ـــــ؟ یہاں کچھ نہیں کرو گے تو ایک بہت بڑی بارگاہ میں پیش ہو کر کیا کرو گے؟ کیا منہ لے کر جاؤ گے وہاں؟ یہی سوالات وفاقی حکومت سے بھی ہیں اور مزید یہ کہ اگر بھٹو کا قاتل ضیاء ہے تو حق نواز کی قاتل ......

پاکستان اور ایران

گزشتہ دِنوں ایک دہشتناک خبر قومی اخبارات میں چھپی کہ ایران کے کمانڈوز پاکستانی سرحد پار کر کے تفتان کے علاقہ میں داخل ہوئے اور سردار بلوچ خاں کو قتل کر کے بڑے آرام سے ایران واپس چلے گئے۔ اس سے پہلے بھی وہ ایک مرتبہ پاکستانی حدود میں ڈاکوؤں کی طرح گئے اور سردار بلوچ خاں کی دکان تباہ کر گئے تھے (روزنامہ "جنگ" لاہور

۱۶ر فروری ص ۱۶) ۔ بلوچستان کی صوبائی حکومت بھی خاموش تماشائی کی طرح چُپ رہی اور مرکزی حکومت نے بجرمانہ چُپ سادھ لی اس قسم کے واقعات کے پس منظر میں جو مخفی جذبہ کار فرما ہے وہ ہم بخوبی سمجھتے ھیں ۔ ہم اس پر اپنی ذاتی اور اٹل رائے محفوظ رکھتے ھیں ۔

حکومت پاکستان نے اس سرحدی خلاف ورزی اور پاکستانیوں کے ظالمانہ قتل پہ دو لفظی احتجاج تک نہ کیا ؟ آخر کیوں ۔ ـــــ ؟ ھم اس خاموشی بلکہ مجرمانہ خاموشی کو وفاقی حکومت کی کھلی شیعہ نوازی سمجھتے ھیں جبکہ پی پی کے حمائتیوں میں شیعہ کمیونٹی ہراول دستہ کا کردار ادا کر رہی ہے اور پاکستانی شیعہ کو ایران کی شیعہ حکومت نے جو شہ دی ہے اور جس طرح خانہ فرہنگ ایران پاکستانی شیعوں کی سرپرستی کر رہا ہے اور جس انداز سے پاکستان میں ایرانی انقلاب امپورٹ کیا جا رہا ہے پی پی پی کی حکومت اس سے یقیناً غافل نہیں بلکہ اس پر راضی معلوم ہوتی ہے اور ہم تو کہتے ہیں کہ

ع اے بادِ صبا ایں ھمہ آوردۂ تست

جنرل مرزا اسلم بیگ کا دورۂ ایران ؟

اس پر مزید ستم یہ کہ پاکستانی افواج کے چیف جنرل مرزا اسلم بیگ ایران کے دورہ پر چلے گئے اور دورہ کی غرض و غایت میں باہمی دفاعی تعاون اور دفاعی تنصیبات کا معائنہ شامل ہے ۔ (روزنامہ "جنگ" ۱۰ر فروری) ـــــ ہمیں نہیں معلوم کہ جنرل صاحب کے دورہ کی تفصیلات کیا ھیں ۔ جنرل صاحب اور حکومت پاکستان لازم و ملزوم ھیں ۔ "صدر محمد اسحٰق خاں کی یہ بات کہ پاکستان میں جمہوریت مرزا اسلم بیگ کی وجہ سے قائم ہے" اور وزیر اعظم کے بقول "پوری قوم جنرل اسلم بیگ کی عظمت کو سلام کرتی ہے" کے بعد کسی قسم کا ابہام باقی نہیں رہتا ۔ پاکستانی سرحدوں میں سے بلوچستان انتہائی حساس علاقہ ہے یہاں گزشتہ پانچ سالوں میں کئی ایسے حادثات رونما ہو چکے ھیں کہ ایرانی کمانڈوز بعض لوگوں کو یرغمال بنا کر لے گئے کوئٹہ میں سُنی شیعہ فساد میں یہ لوگ براہِ راست شریک تھے پھر انہیں گرفتار بھی کیا گیا مگر انہیں بخیر و خوبی ایران واپس بھیج دیا گیا گزشتہ برس کراچی میں محرم کے موقع پر دھرنا مارنے والوں میں ایرانی شیعہ بھی شامل تھے ۔ یہ آئے دن کی درندگی وحشت و سفاکی غنڈہ گردی کی وارداتیں کرنے والے جب چاہیں پاکستانی حدود کی خلاف ورزی کریں پاکستانیوں کو قتل کریں یرغمال بنائیں پاکستانیوں کا مال لوٹ لیں ۔ دکانوں کو آگ لگا دیں آخر کیوں ـــــ ؟ اور بلوچستان کی حکومت ٹس سے مس نہ ہو وفاقی

حکومت چُپ سادھے رہی کیا بلوچستان پاکستان کا صوبہ نہیں ؟ کیا حکومت پاکستان نے فرض کرلیا ہے ، کہ بلوچستان ایران کا حصہ ہے ؟ اور موجودہ ایران پاکستان اور پاکستانی مسلمانوں کا خیرخواہ ہے ؟ اہل ایران اعتقادی طور پر ہمیں کافر سمجھتے ھیں نہ صرف ہم پاکستانی مسلمانوں بلکہ سعودی عرب، مصر، عراق اور دیگر تمام مسلم ممالک کی حکومتوں اور مسلمانوں کو کافر سمجھتے ھیں اس لئے کہ وہ غیر شیعہ ھیں ۔

حکومتِ ایران پاکستان میں شیعہ انقلاب ایکسپورٹ کر رہی ہے خانہ فرہنگ ایران پاکستانی شیعہ کی ہمہ جہت نگرانی تحفظ اور امداد فراہم کرتا ہے جو براہِ راست ہماری اندرونی زندگی میں مداخلت ہے حکومتِ پاکستان نہ تو اپنی سرحدوں کے بارے میں سوچتی ہے نہ احتجاج کرتی ہے نہ مسلمانوں کے جان و مال کا تحفظ کرتی ہے اور نہ ہی اندرونِ ملک ایرانی مداخلت روکتی ہے اس سے کیا سمجھا جائے ؟ کیا اس کا نام احتیاط ہے ؟ اس کا نام رواداری ہے ؟ نہیں بلکہ اس کا نام جانب داری ہے اور یہ اہل سنت والجماعت کے ملک کو نیم شیعہ حکومت بنانے کی کھلم کھلا جارحیت ہے ۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دَور میں سٹنگر میزائل پاکستان سے ایران پہنچے اور وہ عراقی مسلمانوں کے خلاف استعمال ہوئے اور جنرل مرزا اسلم بیگ صاحب دفاعی تعاون اور تنصیبات کے باہمی معائنہ کے لئے ایران کا دَورہ کرکے تشریف لائے ھیں انہیں یقیناً عراق کی ایٹمی تباہی یاد ہوگی اور اس تباہی میں اسرائیل کے ساتھ تعاون کرنے والے بھی یاد ہوں گے ہم نہیں سمجھتے کہ یہ کام اسلامی جذبۂ اخوت کے ماتحت ہوا ہے ۔

حلقہ ۹۹ کا انتخاب

ہم تو ایک عرصہ سے یارانِ سرِ پُل کو نیک و بد سمجھا رہے ہیں اور برملا کہہ رہے ھیں کہ اسلام نیک ہے اور جمہوریت بد اب تو حلقہ ننانوے کے انتخاب کے بعد ہم اس میں اضافہ کرتے ھیں کہ اسلام نیکیوں کی تخلیق کرتا اور جمہوریت برائیوں کی نسل کشی خصوصاً علماء کرام نے جب سے جمہوریت کے ساتھ رشتۂ عاشقی جوڑا ہے تو عزتِ سادات بھی جاتی رہی کہ علماء مفادات کے بندگانِ بے کس بن کے رہ گئے ھیں اپنی مسند اور منصب کا وقار تک ملحوظ نہیں رکھتے الیکشن میں قیام کیا چند روز مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا لیکن کبھی مال و متاع اور کبھی سیٹوں پر رکوع و سجود کیا اور یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا مولانا عبدالغفور الوری کا انتخابی روّیہ نہ صرف محلِ نظر ہے بلکہ کیفرِ کردار کا محل ہے اور اگر نوازشِ شرافت کے زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو اسقفِ اعظم کا ایشتاغ ہے سینٹ کی سیٹ اور مدرسہ کے اخراجات پر سودا اور اس پر نعرۂ مشتری ہشیار باش مولانا عبدالستار خاں نیازی

کی نیاز مندیوں کا کرشمہ ہے :

؎ کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا است

اس سے بڑی بُرائی اور کیا ہوگی اگر الیکشن اسلام ہے تو سودا کیا ہے اور الیکشن اگر اسلام نہیں تو دخل در نا معقولات چہ معنیٰ دارد ۔ اور اس ساری کاوشِ زیاں کا حاصل افتراق نیاز و نورانی اپنی اپنی نیاز مندیوں اور نورانیت کا طماطر لپیٹ کر حریفانِ بادہ بن کے رہ گئے ۔ کل کے دوست اسلام کے علمبردار آج کے دشمن اور جمہوریت کے علمبردار ۔ دیوبندی علماء کی باہم تھکا فضیحتی سے ہم نالاں تھے اور یک گونہ خوشی کی لہر کبھی آتی تو بریلوی مسلک کے ان دو بزرگوں کی ہم آہنگی سے لیکن بُرا ہو اس جمہوریت کا ؎

شرکتِ غم بھی گوارا نہیں کرتی غیرت " ان کی "
غیر کی ہو کے رہے " سیٹ اعانت " میری

اصل زر مع سود لے گئی پیپلز پارٹی اور اس مضاربتِ جمہوری میں نقصان بلا آئی جے آئی کو اور کونسلوں کی دلالی میں " سُرخروئی " جے یو پی کے حصے میں آئی ، اور پاکستانی ترانے کی دُھن پر گائے گئے یہ مصرعے سُنتے رہے ؎

چرخِ ہفت طباقی ان کا ، بختِ اوج مُلاقی اُن کا
سینٹ مرکز صُوبہ ان کا ، آنکھیں میری باقی اُن کا

آذر بائیجان اور اب تاجکستان

دسمبر ۷۹ء میں افغانستان کے پُرامن مسلمانوں پر بدامنی ظلم و سفاکی اور جور و جفا کی گھٹائیں روس سے برآمد کی گئیں جو لاکھوں مسلمانوں کو آگ اور خون میں دھکیل گئیں لیکن مسلمان مجاہدین نے روس کی قاہر و جابر طاقت کو ذلت و رسوائی کا ہار پہنا کر افغانستان سے دھتکار دیا ۔ روس افغانستان سے نامراد واپس لوٹا تو مشرقی یورپ ہل گیا کمیونزم کا نظریہ سر کے بل گرا اور دنیا بھر کے کمیونسٹوں کے ناک خاک آلود ہو گئے اس ردِ عمل کا سارا کریڈٹ افغانستان میں بے جگری سے مر مٹنے والے مسلمان مجاہدین کے سر ہے اور دنیا کی کوئی لابی اس سے انکار کی مجال نہیں رکھتی اسی جہاد کے ثمرات میں سے آذر بائیجان اور تاجکستان کے مسلمانوں کا جنونِ شوق سامانے ندارد کے مصداق اپنے دائرے میں مچل گیا جس سے ایرانی شیعہ فائدہ اُٹھانے کی سعی مذموم میں سرگرداں ہے ۔ ایرانیوں کو اس بات کی فکر نہیں کہ اسلام بھر جہاں میں غلغلہ انداز ہو بلکہ وہ تو اس فکر

میں گھلے جار ہے ہیں کہ خمینی کا انقلاب کیسے ایکسپورٹ کیا جائے اور جہاں بھی مسلمان آزادی کی جدوجہد میں مصروف ہوتے ہیں ایرانی اپنا ایک سیل وہاں قائم کر دیتے ہیں پٹرول کے سرمائے اور پاسداران انقلاب کے تربیت یافتہ کمانڈوز کو وہاں بھیج کر تفرقہ و انتشار کی آگ بھڑکاتے ہیں۔ آذربائیجان اور تاجکستان کی انقلابی قوتیں جہاد افغانستان سے متاثر ہیں ایرانی انقلاب سے ہرگز نہیں ہاں جس طرح ایرانیوں نے افغانستان میں اسلامی حکومت کے قیام میں رکاوٹیں کھڑی کیں اور گروہ بندی کا شاخسانہ کھڑا کر دیا اسی طرح تاجکستان میں بھی یہی منفی رول ادا کیا جا رہا ہے جو ہر اعتبار سے ایک مذبوحی حرکت ہے۔

کشمیر

مسئلہ کشمیر ۱۲ جولائی ۱۹۳۱ء سے الجھا چلا آ رہا ہے شیخ عبداللہ بخشی غلام محمد پہلے اسکی خوبصورتی کو مسلمانوں کی آزادی سے وابستہ کرتے رہے پھر انکی نیاز مندیوں نے رُخ بدلا اور وہ جمہوری حقوق کے حصول کے لئے ھندو کی سیاست کا صید زبوں ہو گئے مجلس احرار اسلام برصغیر کی واحد جماعت ہے جس نے کشمیر کو مسلمانوں کے لئے اور صرف مسلمانوں کے لئے لازمی قرار دیا تھا۔ اور اس کے لئے کشمیر کے طول و عرض میں رضاکار بھیج کر ڈوگرہ راج کی چولیں ڈھیلی کر دیں سرکاری رپورٹ کے مطابق ۲۵ ہزار رضاکار گرفتار ہوئے دسیوں شہید ہوئے اور سینکڑوں کشمیر میں داخل ہوئے حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ ۸۰ میل پیدل چل کر کشمیر میں پہنچے اور ڈوگرہ شاہی کو للکارا۔ کشمیر کا مسئلہ بگاڑنے میں انگریز مرزائی اور ڈوگرے اصل مجرم ہیں ۱۹۳۰ء کی کشمیر کمیٹی جو مرزا بشیر الدین محمود کی سرپرستی میں تشکیل دی گئی اور تحریک کشمیر میں مرزائیوں نے ڈوگروں کا ساتھ دیا۔ عبدالرحیم درد نے اس میں اہم کردار ادا کیا انگریز نے سرپرستی کی۔

ماسٹر تاج الدین انصاری نے مرزائیوں کی تمام چالیں طشت از بام کیں شیخ عبداللہ اور بخشی غلام محمد کو ان کے چنگل سے بچانے کی بھرپور کوشش کی لیکن انگریزی حکومت اور سرمائے نے یہ دونوں لیڈر مسلمانوں سے چھین لئے ۱۹۴۷ء میں ریڈ کلف باؤنڈری کمیشن کے سامنے پاکستان کا جو نقشہ پیش کیا گیا اس میں آل انڈیا مسلم لیگ اور پنجاب مسلم لیگ کا تضاد پیدا کیا گیا مرکز نے مسلمانوں کی اکثریت کی بنیاد پر ضلعی تقسیم کا فارمولا دیا لیکن جب ظفر اللہ باؤنڈری کمیشن کے سامنے پیش ہوا تو اس نے تحصیل وار تقسیم کا فارمولا پیش کیا جس سے ضلع گورداسپور کی تقسیم متاثر ہوئی تحصیل پٹھان کوٹ عمداً بھارت کو دی گئی تاکہ کٹھوعہ اروڈ الگ ہو جائے اور کشمیر کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہو کیونکہ کشمیر کے مسئلہ پر مرزائیوں کو ذلت اٹھانا پڑی تھی[۵۱] چوہدری غلام عباس

---

[۵۱] دیکھئے ممتاز احمد کی کتاب: مسئلہ کشمیر یا زندگی ہفت روزہ کشمیر نمبر ۲۲ فروری تا یکم مارچ ۱۹۹۰ء

مرحوم مسئلہ کشمیر پر احرار کے نقطۂ نظر سے متفق تھے اس سلسلہ میں ان کے بیانات ۴۸ء اور ۴۹ء کے اخبارات میں دیکھے جا سکتے ہیں کشمیر میں موجودہ حرکت انقلاب بھی افغانستان میں اسلامی جہاد کے مبارک اثرات کا خوبصورت عمل ہے اور ہم لمحہ لمحہ اسلامی جہاد کے فکروعمل کو بروئے کار لانے والی قوتوں کے ساتھ ہیں البتہ چودھری امان اللہ صاحب کا رویّہ اس اعتبار سے بالکل غلط ہے کہ کشمیر کو پاکستان سے بھی آزاد کرانا ان کے مشن کا حصّہ ہے کشمیر اُسی دو قومی نظریہ کا حصّہ ہے جس کی بنیاد پر ہندوستان تقسیم ہوا تھا کشمیر مسلمانوں کا ہے اور مسلمانوں کے بنائے ہوئے ملک پاکستان کا اٹوٹ انگ ہے کشمیر کی الگ ریاست کا نیا فارمولا مرزا طاہر احمد کے کشمیری ونگ کی سازش ہے چودھری امان اللہ صاحب وضاحت کریں کہ وہ برطانیہ میں مرزائیوں کے ہیڈکوارٹر تشریف نہیں لے گئے اور یہ نئی لائن انہوں نے وہاں سے حاصل نہیں کی؟ کشمیر کا واحد حل، کشمیر بنے گا پاکستان!

حضرت مولانا محمّد رمضان علوی رحمۃ اللہ علیہ

نومبر ۸۹ء میں راولپنڈی میں میرا قیام حضرت مولانا کے پاس رہا، مولانا سے بہت سے موضوعات پر گفتگو ہوئی خصوصاً علماء کی سرپھٹول اور جمہوری اغراضِ خبیثہ کے حصول کے لئے ان کی وفاداریوں کی تبدیلی پر مولانا سے یہ طے ہوا تھا کہ سفید کافرستان (برطانیہ) کے سفر سے واپسی پر مولانا مجھے اسلاف احرار کے جذبۂ رواداری معاملہ فہمی اور اجتماعی کردار کے حسن پر کچھ لکھوائیں گے لیکن انسان کی تدبیروں پر تقدیر بہ خندہ زنی روزِ اول سے حاوی ہے جنوری کے آخری جمعہ پر برطانیہ میں ایک دوست نے بتایا کہ مولانا اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا ماضی کے حسنِ اخلاق کا مرقع، وضع داری کے پاسبان اور مروّت و حسنِ سلوک کے معاملہ میں منفرد تھے۔ سادگی، مہمان نوازی میں اپنی مثال آپ تھے آپ ہر دوسرے روز ختم قرآن کر لیتے تھے سحر خیز تھے اور یہ اُن کا عہدِ شباب سے ہی معمول تھا، مولانا مرحوم مذہبی رسّہ کشی اور طبقاتی کش مکش سے سخت نفرت کرتے تھے اپنی مسجد میں کبھی ان پیشہ ور وعظ فروشوں کو خطاب کرنے دیتے انہیں سمجھاتے بجھاتے بلکہ ڈانٹ ڈپٹ بھی کرتے۔ میری خوش نصیبی ملاحظہ فرمائیں مولانا نے ۱۲ نومبر ۱۹۸۹ء مغرب کی نماز کے بعد مجھے حکم فرمایا کہ میں نمازیوں کو نماز کی ادائیگی اور اعتدال و سکون کے لئے کچھ عرض کروں چنانچہ پون گھنٹہ اللہ کے دین کی اس سب سے اہم عبادت پر میں نے گفتگو کی مولانا نے دُعائیں دیں اور فرمایا تم پہلے آدمی ہو جسے میں نے کچھ کہنے کی اجازت دی ہے تم سفر سے واپس آؤ تو میں تمہیں دفترِ احرار کے لئے جگہ لے دوں گا واحسرتا! مولانا کی اولاد کو اس نعمت کے اُٹھ جانے

کا جو غم ہے وہ ہے ہی، لیکن میرا غم بس میرا ہی غم ہے جس میں میں تنہا اداس ہوں۔

حضرت مولانا میرے والد ماجد حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے تعلقات، حالات و واقعات کے بھی یکتا امین تھے مولانا ساری امانتیں سینے میں لیکر چلے گئے۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَھُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَھُمْ (ب۔ن)

اللہ سے دعا گو ہوں کہ جو مراسم و مراحم مجھے مولانا سے ملے انکی اولاد نیک نام سے بھی ملتے رہیں آمین!

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ہمارے محترم رفیق اور انجمن ربانیہ اہل سنت (بھوٹی گاڑ ضلع اٹک) کے منتظم جناب حسین احمد قریشی صاحب یکے بعد دیگرے مختلف صدمات سے دوچار ہوئے ہیں۔ ۲۷ر فروری ۸۹ء کو اُن کے چچا حضرت مولانا حکیم قاضی شمس الدین قریشی انتقال فرماگئے، ۹ر دسمبر ۸۹ء کو اُنکی اھلیہ محترمہ رحلت کرگئیں۔ اور ۱۸ر دسمبر کو اُن کے ماموں حضرت مولانا قاری عبدالرحمن قریشی وفات پاگئے۔ قریشی صاحب کے لئے یقیناً "گزشتہ سال عام الحزن ہے۔ مدرسہ محمودیہ مسعورہ ناگڑیاں (ضلع گجرات) کے مُعاون ریاض علی صاحب کا جواں سال بیٹا محمد نعیم اللہ کو پیارا ہو گیا اُن کے خاندان سے ہمارا تعلق بہت ہی محبت بھرا ہے پھر وہ دینی کام میں ہمارے معاون بھی ہیں اس سانحہ سے جہاں اُن کے اہل خاندان مغموم ہیں وہاں ہمارے دل بھی چُور ہیں۔

محمد ریاض عباسی صاحب راولپنڈی میں نقیبِ ختم نبوت کے مستقل قاری ہیں اُن کی والدہ ماجدہ بھی انتقال فرماگئی ہیں ڈیرہ غازی خان سے احرار کارکن جناب بشیر احمد صاحب کی نانی صاحبہ وفات پاگئیں ——— قارئین اور جملہ مسلمان ان سب حضرات کی مغفرت کے لئے خصوصی دُعا کا اہتمام فرمائیں۔ ادارہ نقیبِ ختم نبوت کے تمام ارکان ——— مرحومین کے لئے دست بدعا ہیں اور لواحقین کے غم میں شریک ہیں۔ اللہ پاک حُسنِ آخرت کا معاملہ فرمائیں اور جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائیں ——— (آمین)

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

فقیرِ عالی وقار

زعیم احرار چودھری افضل حق مرحوم کے حوالہ سے گفتگو کرتے ہوئے میرے سامنے دیوبند کے نامور حریت پسند شاعر علامہ انور صابری مرحوم کی یہ رباعی آگئی :

حیاتِ افضل کو پڑھ کے انور، یہ راز سمجھا دماغ میرا
زعیمِ فطرت شکار بھی تھا، ادیب جادو نگار بھی تھا
دل و جگر کی حرارتوں میں حرارتِ قلب و زندگی تھی
فقیرِ عالی وقار بھی تھا، غریب کا غم گسار بھی تھا

اسی رباعی کے آخری شعر سے میں نے عنوان مستعار لے کر گفتگو کی ہے۔ شاید کہ نسلِ نو کچھ اثر لے کر اپنی موجودہ زبوں حالی کا مداوا کر سکے۔

چودھری صاحب مرحوم ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۱ء کو پیدا ہوئے اور ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء کو اس دنیا سے سدھار گئے گویا قمری حساب سے محض ۵۲ برس اور شمسی حساب سے ۵۱ برس اس جہانِ رنگ و بو میں رہے۔ یہ عمر ہی کیا ہوتی ہے، کہنا چاہئے کہ اُن کا وجود دنیا کو منور کرنے والا ایک روشن شعلہ تھا جو جلد ہی بجھ کر دنیا کو اندھیروں کے سپرد کر گیا ——— فیا حسرتا !

مرحوم ایک ایسی برادری اور قوم کے چشم و چراغ تھے جس کے ہر بڑے چھوٹے فرد کے دل و دماغ کے ہر گوشہ میں عظمت و بڑائی کا خمار موجود ہوتا ہے اور پھر ملازمت جو تھوڑی بہت کی وہ ایسے محکمہ میں جس کا ہر چھوٹا بڑا فرد اپنی جگہ اپنے آپ کو حاکم و آمر مطلق خیال کرتا ہے لیکن چودھری صاحب کی فطرت سلیمہ اور فطرت صحیحہ نے اُنکی زندگی کے جو نقوش تاریخ کے اوراق پر ثبت کئے ہیں، ان کے مطابق وہ دل دَرد مند کے مالک، متواضع اور اخلاق اقدار کے مالک ایک ایسے انسان نظر آتے ہیں جو رسولِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی صحیح تصویر ہو۔

بہترین انسان وہ ہے جو انسانوں کے کام آئے

کتنی عجیب بات ہے کہ مرحوم نے جس قافلہ سے اپنا تعلق جوڑا، اس تعلق کو ایسا نبھایا کہ جنازہ بھی اسی

قافلہ یہ عوامی دفتر سے اُٹھا اور وقتِ مرگ اُن کے سرہانے سے زر و سرمایہ نام کی کوئی چیز برآمد نہ ہوئی، برآمد ہوا تو "دینِ اسلام" نامی کتاب کا مسودہ، جو سید ابوذر بخاری کے بقول:

"اسلامی عقائد و احکام کی حکمت کے موضوع پر بڑی پرمغز اور معرفت آمیز کتاب ہے۔"

مصر کے دورِ زوال کے عبقری الامام محمد عبدہ کے شاگرد رشید علامہ رشید رضا نے اپنے استاذ کے افکار کی روشنی میں قرآن عزیز کی تفسیر "المنار" کے نام سے لکھنا شروع کی۔ سورۂ یوسف کی آیت ۱۰۱ پر ان کی حیاتِ مستعار کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے اقتدار کی تکمیل کے بعد کس طرح حالتِ اسلام میں موت کی درخواست و دعا کی اور ساتھ ہی اس بات کی کہ ان کا اخروی انجام اہلِ صلاح کے ساتھ ہو ـــ رشید رضا کی موت پر مصر کے اہلِ علم نے ماتم کیا کہ ایک عظیم تفسیر کی تکمیل نہ ہو سکی لیکن جس مقام پر موت ہوئی اس پر ہر ایک نے رشک کیا ـــــــ برعظیم کے دورِ زوال کے ایک ہمدردِ قوم اور مخلص انسان کے سرہانے ایسی کتاب کا تکمیل شدہ مسودہ نکلنا جس میں اسلام کی رواجی تعبیر کے بجائے حقیقی تعبیر ہو۔ بلاشبہ ان کے ایمان پرور حُسنِ خاتمہ کی دلیل ہے۔ اور کہا جا سکتا ہے ؎

ع ہے رشک اِک جہان کو افضل کی موت پر

(بہ تغیرِ یسیر معذرت کے ساتھ)

چودھری صاحب جس قافلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس قافلہ کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لئے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں: ــــــــــ

الف: دنیا امیروں کی جولان گاہ نہیں اس میں غریبوں کا بھی حصّہ ہے۔ (مظہر علی)

ب: میرے نزدیک ہندوستان کی تمام مشکلات کا حل صرف ایک ہے کہ ہندوستان (اب ہند، پاک، بنگلہ دیش) کے تمام سمجھدار قوم پرست کسانوں اور مزدوروں کی تنظیم کریں اور اس خطّہ میں بجائے ایک سرمایہ دار حکومت کے غرباء کی حکومت قائم کریں۔ (حبیب الرحمٰن لدھیانوی)

ج: لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ انسانی حرص و آز کی کارفرمائیوں نے اس قدرتی معاہدے اور اشتراکِ عمل کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تمدّن کی خوشگوار فضا کو محشرستانِ فساد بنا دیا، پیداوار کی وہ تقسیم جو عام ہونی چاہیئے تھی بعض افراد تک محدود ہو کر رہ گئی۔ (صاحبزادہ فیض الحسن)

د: سیاسی آزادی قوموں کے لئے اسی صورت میں مفید ہو سکتی ہے جبکہ اقتصادی آزادی سے قومیں

مالامال ہوں میں حیران ہوں کہ میری قوم نے کبھی سنجیدگی کے ساتھ اپنے گرد و پیش کے حالات کی طرف توجہ نہیں دی ۔ (شیخ حسام الدین)

اور خود چودھری صاحب کہتے ہیں کہ :

" سب کو علم ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کارل مارکس کی پیدائش سے ۵۸ سال پہلے فوت ہوئے ان کے قول کے مطابق رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ امراء و سلاطین کی لوٹ کھسوٹ سے عوام کو بچایا جائے ، قیصر و کسریٰ کو اور ان کے سرمایہ دارانہ نظام اور امیرانہ رسم و رواج کو برباد کیا جائے اور لوگوں کو امتیازی زندگی بسر کرنے سے منع کیا جائے ۔"

(تاریخِ احرار ص : ۶۰ حجۃ اللہ البالغہ ص ۶۴)

مزید کہتے ہیں :

" اقتصادی مساوات کے بغیر ہندوستان (اُس وقت ہندوستان ہی تھا) میں امن اور آزادی ممکن نہیں یا یہ ملک غلام رہے گا ، اور اگر آزادی اور امن حاصل کرے گا تو سوشلزم[۵] (عدل اجتماعی کے عنوان میں) کی بنیاد پر ، تب ہی چھوت کی لعنت دُور ہو گی جب ملک میں سرمایہ دار طبقہ نہ رہے گا

(تاریخ احرار ۲۶۷)

چودھری صاحب اور ان کے رفقاء کا یہی نقطہ نظر تھا کہ دنیا میں امن ہونا چاہیے اور امن ممکن نہیں جب تک اس میں طبقاتی کشمکش کا عفریت منہ کھولے موجود ہے ۔ پنڈت جواہر لعل نہرو نے "میری کہانی" میں احرار کے متعلق کہا تھا کہ :

یہ لوگ زیادہ تر نچلے اور اوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں ۔

احرار کو اس کا مطلق انکار نہ تھا کہ وہ نچلے اور اوسط طبقہ کے لوگ ہیں ۔ اُس دَور میں اور آج بھی یہ بات خاصی ذلت ناک شمار ہوتی ہے لیکن احرار کو اس پر فخر تھا ، زعماء احرار کے پاس وہ سب وسائل تھے جن کی بنیاد پر لوگ بڑائی کے تاج محل تعمیر کرتے ہیں ۔ مذہبی اور سیاسی دکانیں سجاتے ہیں ، اسلام اور عوام کے نام پر اپنا کاروبار چمکاتے اور لوگوں کی گردنوں پر سوار ہوتے ہیں ، لیکن انہوں نے جھوٹے تاج محل تعمیر کرنے کی بجائے سچائی کا فطری راستہ اختیار کیا ۔ وہی راستہ جس کی دُعا ، دنیا کے سب سے سچے انسان نے کی

---

[۵] یہاں پر سوشلزم کا لفظ چوہدری صاحب نے مطلقاً "سماجی انصاف" کے معنوں میں استعمال کیا ہے نہ کہ اصطلاحاً اس سے کوئی خاص نظام مراد ہے۔

میرے ربّ ! میں زندہ رہوں تو مسکینوں میں ، مروں تو مسکینوں میں اور صبح قیامت میرا حشر ہو تو مساکین کے ساتھ ۔

احرار کے شہ دماغ چودھری صاحب تھے ۔ جیسا کہ اشارہ ہوا وہ تعلیم کے بعد جہاں تک مقدر تھی، محکمہ پولیس میں بھرتی ہو گئے —— خاندانی راجپوت اور پولیس کی ملازمت —— نہلے پہ دھلا ، اس سے قبل اُن پر کئی دَور بیت چکے تھے چونکہ گھرانا نیک تھا اس لئے بقولِ خود "نماز کی قضا ممکن نہ تھی" —— یہ بچپن و تعلیم کا دَور تھا تعلیم کے بعد تشکیک کی منزل میں آ گئے ، پھر پولیس میں بھرتی ہو گئے ۔ اسی اثنا میں جنگِ عظیم اوّل ختم ہوئی تو ترکی خلیفہ کی حکومت پامال ہو کر رہ گئی ۔ عثمانی حکومت کے حصّے بخرے کر دیئے گئے، موجودہ شاہ حسین والئی اردن کے آباؤ اجداد نے انگریزی بساط پر مہروں کا کام دیا اور ملّتِ اسلامیہ شدید زبوں حالی کا شکار ہو گئی —— برعظیم کا چپّہ چپّہ حالات سے شدید طور پر متاثر تھا ۔ راجپوت پولیس مین کے اندر کا دِل تڑپ رہا تھا ۔ خود کہتے ہیں :

"انگریزی ملازمت کی ایک ایک گھڑی میرے لئے ناقابلِ برداشت تھی ۔"

تا آں کہ ۱۹۲۱ء آ گیا برعظیم کے اُبھرتے ہوئے خطیب سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کی ایک تقریر لدھیانہ سے متاثر ہو کر ملازمت ترک کر دی اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ چند دن کی ریاضت کے بعد اپنے مستقر میں عین تھانہ سے متصل اسی موضوع پر تقریر کر ڈالی —— آئندہ چل کر کشمیر کے وزیرِ اعظم "ہرکشن لال کول" نے کمشنر کی حیثیت سے آپ سے ملاقات کرنا چاہی ، برادری کے ایک وڈیرے کو درمیان میں ڈالا گیا لیکن :

عنقا را بلند است آشیانہ

والی بات سامنے آئی —— چودھری صاحب دام میں نہ پھنس سکے اور اپنے موقف پر ڈٹے رہے ۱۹۲۲ء میں ایک مقدمہ کی بنا پر چھ ماہ کی سزا کے مستوجب قرار پائے ۔

مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا ، ؎ کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

اِسی جیل (انبالہ) میں ۱۴ ، ۱۴ گھنٹے بیڑی ہتھکڑی میں جکڑ کر رکھے گئے جس سے فالج کا حملہ ہوا ، غذا میں سُرمہ کھلایا گیا جس سے عمر بھر کے لئے گلے کی بندش کا عارضہ لاحق ہو گیا —— قیدیوں کے حالات کی بہتری اور اصلاح کے لئے اِسی جیل میں کامیاب بھوک ہڑتال کی —— ساتھ ہی آپ کی پاکیزہ زندگی کی صحبت سے کئی قیدی پاکباز زندگی گذارنے کی راہ پر آ گئے ۔

آپ لگ بھگ ۱۲ برس اسمبلی کے ممبر رہے تاآں کہ ۱۹۳۷ء میں اُس وقت کی پنجاب حکومت نے کمال درجہ کی دھاندلی کر کے آپ کو ہرا دیا۔ آپ نے اسمبلی رکنیت کے زمانہ میں سکھّوں کے کرپان کے مقابلہ میں کلہاڑی رکھنے کا بل نہ صرف پیش کیا بلکہ کمال درجہ استقامت اور صبر آزما جد وجہد سے اسے منظور بھی کرایا۔

تحریک عدمِ تعاون کے دوران مولانا ابوالکلام آزاد نے آپ کی اصابت رائے اور دیانت پر اعتماد کرتے ہوئے بلا مشورہ اپنا قائم مقام نامزد کر دیا —— جو چودھری صاحب کے لئے بڑا اعزاز تھا۔

۱۹۲۹ء میں کارکنانِ خلافت پنجاب نے احرار کے نام سے قافلہ ترتیب دیا تو اس میں چودھری صاحب پیش پیش تھے۔ یہ گزر چکا ہے کہ احرار طبقاتی فرقہ واریت کے شدید مخالف تھے، اس صورتِ حال کو وہ روحِ اسلام کے منافی خیال کرتے۔ ان کی ساری جدوجہد اسی محور کے گرد گھومتی ہے۔ کشمیر کی تحریک ہو یا کپورتھلا، بہاولپور کے معاملات، سب کی پشت پر یہی جذبہ کارفرما تھا کہ غربا اور نچلے درجہ کے لوگ سر بلند کر کے چل سکیں۔ ان کا معاشی استحصال ختم ہو انہیں ان کے حقوق ملیں اور وہ عزت و آبرو کی زندگی گزار سکیں۔

اگر قادیانیت کے خلاف احرار نے اجتماعی جدوجہد کی بنو اُٹھائی تو اس لئے کہ جہاں قادیانیت اسلام کے بعض بنیادی عقائد کو چیلنج کرتی ہے —— وہاں اس لئے بھی جدوجہد لازم تھی کہ:

۱: قادیانی برٹش امپریلزم کے ایجنٹ ہیں۔

۲: اعلیٰ طبقہ کا ذہن رکھتے ہیں اور اِرد گرد کی غریب آبادی کا بائیکاٹ کرنا اور دوسرے ذرائع سے انہیں مرعوب کرنا ان کا دھندا ہے۔

۳: وہ مسلمانوں میں ایک نئی گروہ بندی کر کے ان کی جمعیت کو پارہ پارہ کرنے کی فکر میں ہیں۔

۴: اور مسلمانوں میں بطور ففتھ کالم کام کرتے ہیں۔ (تاریخ احرار ص ۱۸۰)

چودھری صاحب کا تجزیہ یہ ہے اور بالکل صحیح کہ مسجد شہید گنج کے نام پر جو ڈرامہ رچایا گیا اس کی پشت پر یہی جذبہ تھا کہ غریب احرار کو کچلا جا سکے —— مراعات یافتہ طبقات جو اس دھرتی پر ہر چیز کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں اور غربا کو اپنا خدمت گزار قرار دیتے ہیں، اس حد تک بے درد اور ظالم ہوتے ہیں کہ کعبہ کی بیٹی تک کو اپنے اغراض کے لئے استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے —— وہ طبقات جنہوں نے ۱۹۳۵ء میں گٹھ جوڑ کر کے احرار کو شہید گنج کے ملبہ تلے دبانے کی کوشش کی اور ہندوستان بھر سے سینکڑوں مقرروں کو ۱۹۳۷ء کے الیکشن میں چودھری صاحب کے حلقہ انتخاب میں بھیج کر ان سے مکروہ پروپیگنڈا

کروا کر چودھری صاحب کو ہرایا —— انہیں اسلام کے نام پر ۴۲ برس قبل ایک آزاد مملکت مل گئی یہاں وہ کبھی "القدس" کے لیئے ہنگامہ کرتے ھیں تو کبھی حضرت بل کشمیر میں موئے مبارک کی چوری پر شور مچاتے ھیں —— یہ حضرات کبھی سلمان رشدی کی آڑ میں اسلام آباد میں غریب طلبار کا خون بہاتے ھیں تو کبھی بابری مسجد کے غم میں مگرمچھ کے آنسو بہا کر انڈیا کے الیکشن میں کانگریس کی راہ کھوٹی کرتے ھیں۔ لیکن انہیں نظر نہیں آتی تو لاہور اسٹیشن سے متصل لنڈا بازار کی مسجد شہید گنج —— جسکی دستاویزات بیچ کر بعض لوگ امیرِ ملت بنے لبعض بابائے صحافت اور لبعض بابائے لاہور۔ سیکڑوں جذباتی مسلمان خاک و خون میں لتھڑ گئے —— اے کاش! خداوندانِ پاکستان روزِ محشر کا ھولناک دن آنے سے قبل ان دانستہ ظالمانہ غلطیوں کی اپنے رب اور اپنی قوم سے معافی مانگ لیں کہ وہاں نہ تو قیادتِ عظمیٰ کام آئے گی نہ جھوٹا پروپیگنڈہ۔

چودھری صاحب مرحوم ہر چند کہ ۱۹۴۲ء میں اِس دنیا سے رخصت ہو گئے تاھم اِس وقت پاکستان کی قرارداد سامنے آچکی تھی اور مسلمانوں کے قائد اعظم عظمتوں کی بلندیوں پر سوار تھے۔ زعیم احرار نے صاف لفظوں میں کہا:

کہ ھم اِس اکھنڈ ہندوستان کو پاکھنڈ ہندوستان اور اِس پاکستان کو پلیدستان سمجھتے ہیں جہاں خود غرضوں نے زراندوزی کی قابلیت کو معیار قرار دے کر دوسروں کو ضروریاتِ زندگی سے محروم کر دیا ہو —— وہ سوسائٹی جس میں سیاسی اور اقتصادی نا برابری ہو اور غریب نان و نفقہ کے محتاج ہوں (اسے کون اچھی سوسائٹی کہے گا)

چودھری صاحب نے واضح کیا کہ اسلام کسبِ معاش کے حوالہ سے مختلف قابلیتوں کو تسلیم کرنے کے باوجود اصحابِ استعداد کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنا رزق معذوروں اور کمزوروں کی طرف لوٹا دیں۔ رسولِ اکرم میں کسبِ معاش کی قابلیت سب سے بڑھ کر تھی لیکن آپ کی عملی زندگی اِس اصول کی پابند تھی کہ کم سے کم ضرورت کا سامان رکھ کر باقی بانٹ دیا۔ اِس کے بعد فرمایا:

اگر مسلم لیگ کے پاکستان میں یہ دستورِ زندگی ہو گا تو ہر احرار اِس کا حامی ہوگا ورنہ پاکستان کا ہر سرمایہ دار مدعی اسلام سمجھ لے کہ اسلام کسی وطنی اور جغرافیائی تقسیم کا قائل نہیں، مسلمان کا وہی وطن ہے جہاں اِس کا ضمیر آسودہ اور مطمئن ہو، نماز اور روزہ کی تو ہر کفرستان میں بھی اجازت ہے۔ باقی سیاسی اور اقتصادی پروگرام جو مذہب کا

جز و لاینفک ہے ـــــ کہاں ہے وہ پاکستان جس میں مساواتِ اسلامی قائم ہو ـــ ؟ مسلم اور غیر مسلم پر ظلم نہ ہو بحیثیت انسان سب کو برابری کی سطح پر اقتصادی حقوق حاصل ہوں، جہاں مساوات نہیں وہاں پاکستان نہیں (تاریخِ احرار ص ۵۹)

چودھری صاحب نے اس طبقاتی جنگ کے متعلق فرمایا کہ اکھنڈ ہندوستان کو ہندو سرمایہ داروں کا سورگ بنایا جائے گا اور پاکستان کو مسلمان سرمایہ داروں کی جنت۔ (تاریخِ احرار ۲۶۳)

افسوس ہوا یہی کہ مسلم لیگ کے پاکستان میں ربوہ کے مرزا البشیر الدین محمود سے لے کر جماعتِ اسلامی کے بانی تک اور سوادِ اعظم اہلِ سنت کے سرکردہ رہنما مولانا عبدالحامد بدایونی تک سبھی اسلام کے عدلِ اجتماعی کی دہی تعبیر کرتے نظر آتے ھیں جو ایک مخصوص طبقہ کی ضرورت ہے ـــ اس ظالمانہ نقطۂ نظر کے خلاف مناظر احسن گیلانی، حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور چودھری افضل حق جیسے مردانِ احرار کی گردنیں ناپنے کی کوشش کی گئی۔ ترجمان القرآن کے ایڈیٹر نے حفظ الرحمٰن کی کتاب پر اسے اشتراکیوں سے مرعوبیت کا طعنہ دیا تو افضل حق کے اس نوع کے مضامین پر سرمایہ پرست علماء کی ایک کھیپ اور جماعت اسلامی کے قلم بردار، لٹھ بردار بن کر رہ گئے۔ یہی حال ابوالکلام اور عبید اللہ سندھی کا ہوا کہ ان پر ایسی ایسی تہمتیں لگائی گئیں اور لگائی جا رہی ہیں کہ شیطان بھی سر پیٹ کر رہ جائے۔

احرار کے وہ جوانانِ عزیز جو آج زعیمِ احرار کی یاد میں جمع ھیں ـــ وہ مبارک باد کے مستحق ھیں کہ انہوں نے اس مجلس کو ترتیب دیا اور اس بھولی بسری شخصیت کی یاددھانی کا فرض سرانجام دیا ہے۔ چودھری صاحب اپنے زندہ افکار کی بناء پر زندہ ھیں، زندہ رہیں گے۔ رسول مکرم کی سیرت پر پنڈی جیل میں لکھی گئی ان کی مختصر سی کتاب سیرت کے اُس دفتر پر بھاری ہے جو ریاستی نوابوں اور بعض خوانینِ امراء کی مدد سے لکھا گیا اور جس میں رسولِ انسانیت کی زندگی کے اس گوشہ کو نظر انداز کیا گیا۔ مہاتما گاندھی نے ضرورت سے زیادہ سرمایہ اپنے پاس رکھنے والوں کو صدیوں بعد قوم کا چور قرار دیا ـــ لیکن اسلام کی آخری کتاب نے صدیوں قبل "العفو" کی صدا بلند کی اور اسلام کے پیغمبر نے عملاً "العفو" پر عمل کر کے دکھایا۔ ابوبکرؓ و عثمانؓ، معاویہؓ ابوذرؓ جیسے خادمانِ محمد عربی سے لے کر ابوحنیفہؒ، ابنِ حزمؒ، شاہ ولی اللہؒ، محمود الحسنؒ، عبید اللہؒ، ابوالکلامؒ، مناظر احسنؒ، حفظ الرحمٰنؒ اور افضل حقؒ جیسے ہمدردانِ ملت کی روحیں بیسویں صدی کے ڈوبتے سورج کا نظارہ کرنے والے باسیوں کو پکار پکار کر کہہ رہی ھیں کہ تمہاری

پُرامن اور مطمئن زندگی کا راز اسی میں ہے کہ :

"اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ" اور "هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا" کی قرآنی حقیقتوں کو پلے باندھ کر ان پر عمل پیرا ہو جاؤ ورنہ قدرت نے ظالمانہ اقتصادی نظام کے علمبرداروں فرعونؔ نمرود، ہامان، قارون، ابوجہل اور ابن ابی کو جس طرح ملیامیٹ کیا، وہی حشر تمہارا بھی ہوگا۔

تحریر : ابواُسامہ
میانوالی،

نرم گرم

کچھ سُنا آپ نے .... ؟

مولانا حق نواز جھنگوی شہید ہو گئے

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن

بھئی یہ تو ہونا ہی تھا۔

کیسے .... ؟

تمہیں اتنی بھی کچھ نہیں ـــــ اہلِ حق کے ساتھ ہمیشہ یہی ہوتا آیا ہے۔

اچھا ..... !

تو کیا مولانا کے قاتل پکڑے جائیں گے۔

کچھ کہہ نہیں سکتے، دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

یہاں اوجڑی کیمپ کے گھناؤنے چہرے بے نقاب نہ ہو سکے۔

یہاں ضیاء الحق کے طیارے کی تحقیقات سرد خانوں میں ڈال دی گئیں۔

یہاں علامہ احسان الٰہی ظہیر کا خون ابھی تک قاتلوں کو پکار رہا ہے۔

سندھ میں بسنے والے سیکڑوں لوگوں کے قاتل ..... قیامت مچا کر بھی چین کی بانسری بجا رہے ہیں، اُنہیں یقین ہے کہ وہ کبھی بھی گرفت میں نہیں آئیں گے۔ وہ پکڑے بھی نہیں جا سکتے کیونکہ ....

انہیں خبر ہے کہ حکومت نے انہیں پکڑنے کا تہیّہ کر رکھا ہے۔

سندھ کے حالات شدھارنے کا بھی اُنہوں نے پکا پکا لنگا ٹھکہ" تہیّہ کر رکھا ہے۔

یہ تہیّہ کیا ہوتا ہے ......؟

یہ پہیّہ کی ایک شکل ہے ...... جیسے پہیّہ گھومتا ہے ویسے حکومت بھی اپنے تہیّہ کو گھمائے رکھتی ہے۔ اگر پہیّہ جام ہو جائے تو مشینری رک جاتی ہے۔ اسی طرح اگر حکومت کا تہیّہ جام ہو اور وہ تہیّہ کو نہ گھمائے تو اُن کی مشینری بھی جام ہو جائے گی۔

حکومت بہت طاقت ور ہے کیونکہ اُس کے پاس تہیّہ کا ہتھیار ہے۔ جب چاہے اُسے استعمال کر لے۔

بھائی صاحب ...... مولانا حق نواز جھنگوی کے قاتل پکڑے گئے۔

تو پھر کیا ہوا ...... یہ کوئی انہونی تو نہیں ہوئی۔

اصل چہرے تو بے نقاب نہ ہوئے ناں ...... یہ تو چار مُہرے تھے، اپنی چال چل گئے۔

انہیں چلانے والے کون لوگ تھے ......؟

ایسے معمّے حل نہیں ہوا کرتے ...... اِن معموں کے حل پر "جنگ پزل" کی طرح کونسا چار لاکھ روپے کا انعام ہے ——

یار دِماغ ماؤف ہو رہا ہے۔

ایسی باتیں سوچا ہی نہ کرو۔

کیوں ......؟

بھئی —— تم سمجھتے کیوں نہیں ......

جمہوری حکومت ہے اور اُس نے تہیّہ کر رکھا ہے۔ تم کیوں اُن کے تہیّہ میں اپنا پہیّہ فٹ کرنے پر تُلے ہوئے ہو۔

اور یہ بات خوب ذہن نشین کر لو جب تم نے تہیہ کر لیا تو نہ ان کا پہیّہ رہے گا نہ تہیّہ۔

پروفیسر خالد شبیر احمد

اسلامی نظام میں حاکمیت اعلیٰ کا تصور

ہر متمدن انسان کسی نہ کسی نظم و ضبط کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ اس لئے ہر فرد کی فطری طور پر یہ ایک دلی تمنا ہے کہ اس کا کسی نہ کسی مملکت یا کسی نہ کسی نظام کے ساتھ تعلق ہو۔ انسان فطرتاً سمجھتا ہے کہ اگر نظم و ضبط نہیں ہے تو پھر حقوق و فرائض، عدل و انصاف کا تصور بھی ممکن نہیں اس لئے جدید علم سیاسیات میں نظم حکومت کو ایک نمایاں اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہ نظم حکومت ایک ایسی ریاست کے اندر قائم ہوتا ہے جہاں پر ایک ایسی جماعت موجود ہو جو کسی معین علاقے میں قانونی اغراض کی تکمیل کے لئے زندگی بسر کرے۔ جہاں پر حاکم محکوم کا تعلق عادتاً پایا جاتا ہو، ریاست خارجی دباؤ سے آزاد اور خودمختار ہو۔ کیونکہ ریاست یا مملکت اگر کسی دوسری ریاست یا مملکت کی پابند ہوگی تو وہ سیاسی طور پر ایک ریاست کہلانے کی حقدار نہیں رہتی۔

مملکت اپنی منشاء اور مقصد کو مؤثر طور پر بروئے کار لانے کے لئے اپنا سب کچھ جن لوگوں کے سپرد کرتی ہے وہ حکومت کہلاتی ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ مملکت کے ارادے اور مرضی کو عملی جامہ پہنائے حکومتوں میں آئے دن تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں لیکن ریاست یا مملکت برقرار رہتی ہے۔ ریاست کو برقرار رکھنے والی یہ قوت عرف عام میں "حاکمیت اعلیٰ" کی قوت کہلاتی ہے جسے ہم اقتدار اعلیٰ بھی کہتے ہیں۔ انگریزی میں اسے SOVEREIGNTY کہا جاتا ہے۔

"اقتدار اعلیٰ" ایک ایسی قوت کا نام ہے کہ معاشرے کی تمام قوتیں جس قوت اعلیٰ کے تابع ہوں اور وہ خود کسی کی تابع نہ ہو۔

اسلامی نظام حکومت میں، حاکمیت اعلیٰ یا اقتدار اعلیٰ کا تصور عام تصور اقتدار اعلیٰ سے یکسر جدا اور مختلف ہے کیونکہ اسلام میں اقتدار اعلیٰ کی قوت خداوند تعالیٰ کی قوت ہے۔ خدا ہی وہ مقدس ہستی ہے جس کو ہم قادر مطلق اور مقتدر اعلیٰ کہہ سکتے ہیں، جو ہر لحاظ سے جامع، مکمل، منفرد ہے۔ جس پر زوال نہیں جو اپنے کسی کام کیلئے کسی کے سامنے جوابدہ نہیں اور باقی ہر شخص ہر کام کے لئے اُس کے سامنے جواب دہ ہے جس کے

سامنے بظاہر مطلق العنان شہنشاہوں کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس لئے اسلامی نظام حکومت میں ریاست کی مقتدرِ اعلیٰ یا حاکم اعلیٰ خداوند کریم ہی کی ذاتِ اقدس ہے اور ریاست کے اندر خداوند تعالیٰ کے سوا کسی اور فرد یا ادارے، گروہ یا جماعت کا کوئی حکم قابلِ اطاعت نہیں۔ اسلامی نظام حکومت میں یہ نظریہ ایک بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتا ہے جس پر سارا قصرِ حکومت قائم ہے۔

قرآن پاک میں جابجا اسلام کے اس تصوّرِ حاکمیّت اعلیٰ کا ذکر موجود ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق قرآن پاک میں ۲۲ آیات ایسی ہیں جن میں خدا کی حاکمیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَماً وهو الذى انزل اليكم الكتاب مُفصلاً (انعام)

ترجمہ: "پھر کیا میں اللہ کے سوا کوئی حاکم تلاش کروں۔ حالانکہ اُس نے اُتاری ہے تم پر کتاب واضح۔"

(۲) ان الحكم الاّ لِلّٰهِ، اَمَرَ اَلاّ تعبدوآ اِلاّ اِيّاهُ ذٰلِكَ الدين القيّم (یوسف: ۴۰)

"حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں ہے۔ اس کا فرمان ہے کہ خود اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو"

(۳) اِتَّبِعوا ما اُنزل اليكم من ربّكم ولا تتّبعوا من دونه اولياء (اعراف)

"پیروی کرو اُس قرآن کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے نازل کیا ہے اور اسے چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔"

(۴) ومن لم يحكم بما انزل الله فاولٰئك هُمُ الكٰفرون (مائدہ)

"اور جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔"

غرضیکہ ایسی آیات پورے قرآن کے صفحات پر موجود ہیں جن سے واضح طور پر اسلام کا تصوّرِ حاکمیت اعلیٰ اُبھرتا ہے ایسی تمام آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قانون اور حاکمیت کا حق صرف اور صرف خداوند تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات کے لئے مخصوص ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرنے کا دوسرا نام اسلام ہے اور اس کے انکار کا نام ہی کفر ہے۔

قرآنِ پاک کے بعد دینِ اسلام کے دوسرے ماخذ حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا تذکرہ ہے۔ ایسی احادیث کی تعداد سیکڑوں تک پہنچی ہے۔ جن میں سے چند پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) وَبِكَ خَاصَمْتُ وَ اِلَيْكَ حَاكَمْتُ ۔

میں تیری مدد سے بحث کرتا ہوں اور تیری وحی پہ فیصلہ کرتا ہوں ۔

یہ فقرہ اُس لمبی دعا کا حصہ ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ حضور تہجد کے وقت اللہ کے حضور کیا کرتے تھے۔ ابن حجرؒ نے حاکمتُ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تمام تنازعات ومعاملات کا فیصلہ خدا کے حکم کے مطابق کرنا، جس کی روشنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس طرح سے ہے کہ میں تمام معاملات اور تنازعات کا فیصلہ تیرے حکم کے مطابق کرتا ہوں۔ جاہلیت کی مشرکانہ رسومات کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا

(۲) اُم الحصینؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع کے موقعہ پر سنا کہ اگر تم پہ ایک نکٹا سیاہ فام بھی امیر مقرر کیا جائے تو اسکی اطاعت کرو، بشرطیکہ وہ تمہاری قیادت اللہ کی کتاب کے مطابق کرتا ہو۔

(۳) ابو ایوب انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

کتاب اللہ کی تابعداری اپنے اُوپر لازم کرلو، اُس کے حلال کو حلال سمجھو اور اس کے حرام کو حرام۔

قرآن واحادیث کے ان حوالوں سے یہ حقیقت مستحکم ہوجاتی ہے کہ اسلام میں کسی فرد، کسی ادارے یا کسی قوم کسی گروہ، کسی برادری یا پھر کسی سیاسی جماعت کی حکمرانی کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ایک ایسی جماعت کو اسلامی معاشرے کے اندر فوقیت حاصل ہے جس کا عمل اُن کے ایمان کے مطابق ہے۔ جن کے اندر خدا کا خوف اور تقویٰ کی صفت موجود ہوتی ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ خدا کی حاکمیت اعلیٰ (اسلام کے مطابق) اسلامی معاشرے کے اندر صرف اللہ کے نیک اور متقی لوگوں کو بطور امانت دے دی جاتی ہے تاکہ وہ اسلامی دائرہ کے اندر محدود ہوکر اللہ کی حاکمیت کو لوگوں پہ قائم کریں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ایک قول اس طرح سے ملتا ہے جس سے اسلام کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔

"اسلام کا مفہوم کیا ہے، حکومت الہی کے احکام کی حکمرداری، مکمل اطاعت امن وسلامتی کے نظام کا قیام ہے۔" (فقہ اکبر)

چنانچہ آپ کے ان ارشادات میں اسلام کے تصورِ حاکمیت کی وضاحت کو تلاش کیا جاسکتا ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ خدا کے حکمبردار بندے مل کر دنیا کی شیرازہ بندی کی طرف متوجہ ہوں اور خدا کی حکمداری

سے قانون " اطیعوا اللہ " سے پابند بن کر اجتماعی واجبات کو پورا کریں تاکہ دنیا امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائے۔

نبوّت

حکومت الٰہیہ یا اسلام کے حاکمیت اعلیٰ کے تصوّر کو اُس تک نہیں سمجھا جاسکتا۔ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے سیاسی پہلو کو پیش نظر نہ رکھا جائے، کیونکہ زندگی کے اسی حصّہ میں ہم انہیں خدا کی حاکمیت کو عملی طور پر قائم کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور ویسے بھی اسلامی ریاست یا حاکمیت اعلیٰ کی بنیاد نبوّت پر رکھی گئی ہے۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ کا ارشاد ہے کہ "اسلام کی حکومت کی اصل نبوّت ہے" اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی حکومت الہام کی قوت سے فیض یاب ہوتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر آنے والے نبی نے نبوّت کی بنیادوں پر لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آخری نبی ہیں۔ اس لئے آپکی حیات طیبہ اس میدان میں ہماری مکمل رہنمائی کرتی ہے۔ جس کی روشنی میں حکومت الٰہیہ، خدا کی بالادستی یا خلافت الٰہی دراصل ایسی حکومت ہے جو خدا کے پیغمبروں اور اُن کے جانشینوں کی حکومت ہو، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں ایسی حکومت کو حکومت نہیں بلکہ خلافت سے موسوم کیا گیا ہے۔ کیونکہ حکومت کے مفہوم میں بندوں کی حکومت کا تذکرہ ہے جبکہ خلافت کے مفہوم میں بندوں کی بجائے خدا کی حکومت کا ذکر ہے۔

قرآن پاک میں اللہ کی حکومت اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمّہ داریوں کا ذکر ہے جس کے متعلق علامّہ آلوسی بغدادی کہتے ہیں:

"کہ اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت درحقیقت خدا کی حکومت ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے ہر شعبہ میں جو خدائی ھدایت ہم تک پہنچائی ہے اُس میں نظم حکومت کے بارے میں بھی بہت کچھ موجود ہے۔ جس کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خلافت میں حکومت ھماری دینی تعلیمات کے اظہار کا مظہر بنتی ہے۔ اس لئے حکومت کی یہ قوّت اس وقت تک اسلامی قوّت بن کر نہیں اُبھر سکتی جب تک اس قوت کا انحصار نبوّت پر نہ ہو، وہ سب کچھ اسلامی نظم حکومت کے اندر موجود ہے جو دین کے مطابق ہے اور وہ سب کچھ اسلامی حکومت سے باھر ہے جو دین اسلام سے باھر ہے۔ جس طرح چاند کی اپنی روشنی نہیں ہوتی وہ پوری روشنی سورج سے لیتا ہے اور پوری دنیا کو روشن کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح اسلام کی حکومت میں حکومت کرنے والوں کا اپنا کچھ بھی نہیں ہوتا بلکہ وہ سب کچھ

اسلام کی ہدایت کے مطابق کرتے ہیں۔ اس لئے اسلام کے تصورِ حاکمیت کی بنیاد نبوت پر ہے۔

امانت

قرآنِ پاک میں حکومت کے لئے ایک لفظ امانت کا بھی استعمال ہوا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کے تصورِ حاکمیتِ اعلیٰ میں حاکمیت کے تمام تر حقوق خداوند تعالیٰ کے لئے ہی مخصوص ہیں۔ خدا کی طرف سے یہ حق امانت کے طور پر خدا کے نیک بندوں کو ملتا ہے، لیکن یہ امانت ایک سنگین امانت ہے۔ علامہ زمحشری کے نزدیک "یہ امانت عظیم القدر سنگین اور گراں بار ذمہ داری ہے۔" امانت سے مُراد یہاں "اطاعت" ہے، اللہ کے حکم اور اِتباعِ حکم کی اطاعت۔ علامہ ابوحیّان غرناطی کے الفاظ میں "اِنسان عظیم وجلیل ذمہ داریوں کا مکلّف ہے۔" اس بات کا شدید احساس اور اس احساس کے ساتھ ساتھ حکومتِ الٰہیہ کے احکامات سے وفاداری امانت ہے۔ جب تک حکم کی اطاعت کی جائے امانت باقی رہے گی اور اسلام کا تصورِ حاکمیت اعلیٰ قائم رہے گا۔ زید بن اسلم کی تحقیق بھی یہی ہے کہ نظریۂ امانت کا تعلّق حکومت کے کارپردازوں سے ہے۔ امانت یہ ہے کہ حکومت کی جملہ ذمہ داریوں اور عوام کے حقوق کے لئے فرض شناسی کے ساتھ کام کیا جائے اور اس کام کو دین اور قانون کے مطابق پورا کیا جائے۔ اسلامی نظامِ حکومت میں اسلامی تصورِ حاکمیت اعلیٰ کی اس وقت تک تکمیل نہیں ہو سکتی جب تک حکومت کو خدا کی امانت سمجھ کر اُس سے خدا کی رضا کا کام نہ لیا جائے۔ اب عام حالات میں بھی امانت کسی ایسے فرد کے سپرد کی جاتی ہے جو ہر لحاظ سے صاحبِ کردار ہو، با اعتماد ہو تو حکومت کا معاملہ تو ہر لحاظ سے اس سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ اس لئے حکومت کی امانت تو صاحب کردار، متقی اور نیک لوگوں کے علاوہ کسی دوسرے کے سپرد نہیں کی جا سکتی۔ یہاں پہ یہ بات بھی واضح رہے کہ جمہوریت میں نہ تو حکومت خدا کی امانت ہے اور نہ ہی اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ نیک بندوں کے پاس رہے۔ بلکہ اکثریت جس کو چاہے، جب تک چاہے حکومت دے سکتی ہے، اس کے برعکس اسلام میں حکومت کا یہ تصورِ امانت کس قدر اہم ہے اسکی نشان دہی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ایک واقعہ سے ہوتی ہے۔ احادیث میں بھی اس واقعہ کا تذکرہ ملتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بوڑھا عیسائی طفیل ابنِ عامر آیا اور اس نے کہا کہ اے خدا کے پیغمبر اگر تو اپنے مرنے کے بعد عرب کی حکومت کی باگ ڈور میرے سپرد کر دینے کا عہد کرلے تو میں ابھی مسلمان ہوتا ہوں۔ آپؐ نے سن کر ارشاد فرمایا کہ "اسلامی حکومت کی باگ ڈور تو خود میرے ہاتھ میں بھی نہیں ہے میں تیرے ہاتھ میں کیا دونگا" حضورِ اکرمؐ کے اس ارشاد سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کے مطابق "حاکمیتِ اعلیٰ" تو اُس

کے پاس بھی نہیں ہوتی جو بظاہر حکومت کرتے ہوئے نظر آتا ہے بلکہ حاکمیتِ اعلیٰ تو اصل میں خداوندِ کریم کے پاس ہے اور خلیفۂ وقت خدا کی حاکمیت کو خدا کی منشاء اور مرضی کے مطابق چلانے کا پابند ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی اگر اسلامی حکومت کی باگ ڈور نہیں ہے تو پھر قیامت تک کے لئے کوئی دوسرا مسلمان اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اسلامی حکومت کی تمام تر قوت اُس کے پاس مجتمع ہو چکی ہے۔ یہی بات اسلام کے تصورِ حاکمیت کو عام تصورِ حاکمیت سے جدا کرتی ہے۔ حدیث اور تاریخی اعتبار سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ اسلام میں حکومت کے اظہار میں امانت کو بڑا دخل ہے۔ حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے بھی حکومت کا کام سپرد کیا جائے۔ اس کا جواب ملا "ابوذر! حکومت امانت ہے۔ یہ ہر شخص کو نہیں دی جا سکتی۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ:

"امام کی ذمہ داری یہ ہے کہ خدا کے قانون کے مطابق حکومت کرے امانت کو ادا کرے اور جب امام امانت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے حکومت کرے تو پھر عوام کی ذمہ داری یہ ہے کہ اس کے حکم کو سنیں اور اطاعت کریں، اور جب وہ میدانِ عمل میں بلائے تو اس کی آواز پر لبیک کہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول اس طرح سے ہے:

"جو شخص حکومت کی ذمہ داریوں کو مناسب صورت میں تقسیم نہیں کرتا وہ اللہ، رسول اور مسلمانوں کے حق اور اُنکی امانت میں خیانت کرتا ہے۔"

انصاف

اسلام کے تصورِ حاکمیتِ اعلیٰ کا تیسرا بنیادی اصول عدل وانصاف ہے جس کے بغیر حاکمیتِ اعلیٰ کا یہ تصور ہرگز مکمل نہیں ہے۔ قرآن نے جہاں حاکمیت کو امانت کہا ہے وہیں اس امانت کو دیانت اور انصاف کے ساتھ ادا کرنے کا حکم بھی دیا ہے کہ جب تم لوگوں کے درمیان حکومت کے لئے کام کرو تو انصاف کے تمام تر تقاضوں کو مدِنظر رکھو۔

اِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ

اسلامی تصورِ حاکمیتِ اعلیٰ اس وقت تک مکمل نہیں ہے۔ جب تک اسلام کے نظمِ حکومت، نظمِ معیشت، نظمِ معاشرت میں عدل وانصاف، عدل واحسان کی مکمل طور پر کارفرمائی نہیں ہوتی۔ عدل بشر کا ایک فطری

تقاضا ہے جس کا پورا کرنا حکومت کا فرض ہے۔ ماہرین نفسیات و سیاسیات اس بات پر متفق ہیں کہ :

"انسان بغاوت پر اُس وقت آمادہ ہوتا ہے۔جب اس کے ساتھ عدل وانصاف نہیں ہوتا"۔ اس بغاوت کو روکنے کے لئے اور افراد کے اندر اعتماد پیدا کرنے کے لئے خالقِ انسانیت نے اسلام کی تعلیم کی روشنی میں اسلامی حکومت کو عدل و انصاف کی بڑی شدت کے ساتھ تلقین کی ہے۔ یہ انصاف کی اہمیت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا :

"پہلی قومیں محض اس لئے ذلیل و رسوا ہوکر تباہی سے ہمکنار ہوگئیں کہ اُن کا قانون محض کمزور ناتواں لوگوں کے لئے تھا۔ خدا کی قسم اگر میری اپنی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اُس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقعہ پر عدل و انصاف کی اہمیت اس طرح سے واضح کی :

"مجھ کو سب سے زیادہ محبوب قیامت کے روز مجھ سے قریب تر امام عادل ہوگا اور مجھ کو سب سے زیادہ مبغوض اور سب سے زیادہ عذاب میں قیامت کے دن ظالم حکمران ہوگا۔"

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

"خدا ایک کافر مگر ایک عادل حکمران کو تو برداشت کر لیتا ہے۔ مگر ایک ظالم حکمران کو برداشت نہیں کرتا۔ خواہ ، وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔"

عدل و انصاف اسلامی حکومت (ایسی حکومت جس میں اسلام کے تصورِ حاکمیت اعلیٰ کے مطابق عمل ہو رہا ہو) میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی حکومت میں ہر عامل اور حکومت کے ہر کارکن کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے عدل و انصاف سے کام لے۔ نہ تو کسی سے خوف کھائے اور نہ ہی کسی کے ساتھ رعایت کرے۔ اسلامی حکومت کو ہر لحاظ سے خدا کے تمام قائم کردہ عدل کی ایک مکمل تصویر ہونا چاہیئے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اپنے پہلے خطبہ میں ہی عدل و انصاف کی اہمیت کو اس طرح واضح کر دیا تھا :

"اور تم میں جو بے اثر ہیں، میرے نزدیک وہ با اثر ہیں ، یہاں تک کہ میں اُن کا حق واپس نہ دلا دوں (انشاءاللہ) اور تم میں جو با اثر ہیں۔ وہ میرے لئے بے اثر ہیں یہاں تک کہ میں

اُن سے دوسروں کا حق وصول نہ کرلوں ۔"

اس طرح اسلام کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ حکومت میں ایک خطبے میں ارشاد فرمایا :

" اے لوگو ! میں تمہارے معاملات کا ذمّہ دار بنایا گیا ہوں ۔ میری طبیعت کی مشہور سختی اور زیادہ بڑھ گئی ہے لیکن اب یہ ظالموں اور نیک لوگوں پہ زیادتی کرنے والوں کیلئے ہوگی ۔ باقی رہے وہ لوگ جو سلامت روی اور میانہ روی کی زندگی بسر کریں گے ، تو اُن کے لئے اس سے بھی زیادہ نرم ہوں گا ۔ جتنے وہ آپس میں ایک دوسرے لئے ہو سکتے ھیں ۔ میں کسی شخص کو دوسرے پر ظلم وزیادتی کرنے کا موقع نہیں دوں گا ۔ اگر کوئی شخص اس قسم کی جسارت کریگا ۔ تو میں اس کا ایک گال زمین پر رکھوں گا اور اس کا دوسرا گال اپنے پاؤں کے نیچے دبا دوں گا یہاں تک کہ وہ حق کے آگے جھک جائے ، اور اس تمام سختی اور سخت گیری کے باوجود میں اھلِ دیانت کے لئے خود اپنا گال ہمیشہ زمین پر رکھوں گا ۔"

ان تمام معروضات کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اسلام کے تصورِ حاکمیت اعلیٰ کی بنیاد تین اھم اُصولوں پر ہے :

۱ ۔ نبوّت ۔ ۲ ۔ امانت ۔ ۳ ۔ عدالت ۔ جہاں یہ تینوں اُصول جمع ہو جائیں وھاں اسلامی حاکمیت اعلیٰ کا تصوّر مکمّل ہوتا ھے ۔ دنیا میں کوئی حکومت اس وقت تک اسلامی حکومت کہلانیکی دعویدار نہیں ہو سکتی ۔ جب تک اس کے عامل اور کارکن (صدرِ ریاست سے لیکر چپڑاسی تک) اپنی ذمّہ داریوں کو خدا کی امانت خیال کرتے ہوئے عدل و انصاف کے تمام تقاضوں کو پورا نہیں کرتے ۔ امام ابو حنیفہؒ نے ٹھیک ارشاد فرمایا ھے :

" اسلام کا مقصد سوائے اسلام کی حکومت کے اور کچھ نہیں ہے اور اسلامی حکومت کا مقصد سوائے خدا کی خوشنودی کے اور کچھ نہیں ہے ۔"

اگر کسی ریاست کے اندر مسلمانوں کے درمیان حکومت کے تمام معاملات کو محض خدا کو خوش کرنے یا اُس کی رضا کے لئے سرانجام دیا جارہا ہے تو اُسے ھم صحیح اسلامی حکومت یعنی خلافت کہیں گے ۔ کیونکہ ایسی صورت میں اسلام کے تصوّرِ حاکمیتِ اعلیٰ کے عین مطابق کام ہو رہا ھے کہ ایسی حکومت میں خدا کے علاوہ اُس کے حق حکومت میں کوئی دوسرا شریک نہیں ۔ ورنہ دوسری ھر صورت " شرک فی الحکومت " ہے اور شرک کسی قسم کا ہو ایسا

گناہ ہے جس کو خدا کبھی معاف نہیں کرتا۔ علامہ اقبال نے درست فرمایا ؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے بس وہی باقی بتانِ آذری

اسلامی حاکمیتِ اعلیٰ کا مفہوم مختصر الفاظ میں اس طرح سے بیان ہوگا:
"خدا کی حکومت، خدا کے نیک بندوں کے ذریعے، خدا کی خوشنودی کیلئے"۔

بقیہ: صلا

آج کمیونزم کے ناہموار فرزند شرمندگی سے منہ چھپاتے پھر رہے ہیں جس دین کو اپنے وطن سے اپنی دانست میں انہوں نے نکال باہر کیا تھا۔ وہ دین نئی قوت کے ساتھ اُبھرا ہے۔ کیونکہ فیصلہ خداوندی بھی یہی ہے کہ جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا بے شک طاغوت مٹنے ہی کے لئے ہے۔ (القرآن)

سید عطاء المومن بخاری مدظلہ‘ تلہ گنگ میں مختصر قیام اور احرار کارکنوں اور معززین شہر سے ملاقات کے بعد واپس ملتان کے لئے روانہ ہوگئے۔

جانشینِ امیرِ شریعت مدظلہ‘ کے لئے
دعاءِ صحت

قائدِ احرار جانشینِ امیرِ شریعت حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری مدظلہ‘ یکم مارچ کو احمد پور شرقیہ سے رحیم یار خان جاتے ہوئے کار کے حادثہ سے دوچار ہوگئے ہیں۔ آپ کی پسلیاں مجروح ہوئی ہیں۔ آپ کے دیگر تین ہمسفر ساتھی بھی زخمی ہوئے ہیں۔ احباب اُن کی صحت یابی کے لئے دُعا فرمائیں۔ (ادارہ)

مرتب : سید محمد کفیل بخاری

تمہارے ہر سوال کا جواب قرآن میں موجود ہے

امیر شریعت نے قرآن کی تلاوت شروع کی اور پیر مرید دونوں قدموں میں آگرے

۱۹۳۸ء کا زمانہ ہے ۔ محلہ لال جہانیاں ملسی شہر (ضلع وہاڑی) کے احاطہ قبرستان میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے عقیدت مندوں اور ارادت کیشوں نے تبلیغی جلسہ کا اہتمام کیا ہے ۔ زمینداروں اور جاگیرداروں کا علاقہ ، جعلی پیروں اور اندھے مریدوں کی شکار گاہیں اس پر مستزاد شاہ جی کی آمد اور تقریر اسے سہ آتشہ ہی کہہ سکتے ہیں ۔ ایسے ماحول میں شاہ جی کی تقریریں جاگیرداروں کے ظلم ، اور پیرانِ درہم و دینار پر گرز ابر شکن سے کم نہ ہوتی تھیں ۔ تقریر کا اعلان سنتے ہی یہ لوگ احتیاطی تدابیر سوچنے لگے ۔ چنانچہ علاقہ کے پیر مولوی سید کریم حیدر شاہ نے اپنے ایک مرید محمد شعبان کمہار کو تیار کیا کہ جونہی شاہ جی تقریر شروع کریں تم کھڑے ہو کر سوال جڑ دینا "آپ رسالت ، معراج ، اولیاء اور درباروں کے منکر ہو؟ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ اس سوال پر شاہ جی کے عقیدت مند اٹھ کھڑے ہوئے اور مخالف بھی ، ارادت مند سائل پر غضبناک ہوئے اور مخالف خوشی سے غل غپاڑہ کرنے لگے ۔ مجمع میں ایک ارتعاش پیدا ہوا اور اکثریت سائل پر مشتعل ہو گئی ۔ پولیس "شعبان" کی گرفتاری کے لیے جلسہ گاہ میں پہنچ گئی ۔ اسی شور و غل میں یکا یک ایک نعرۂ مستانہ بلند ہوا ، دلوں کو ہلانے والی گرجدار صدا سنی گئی ، شاہ جی پورے جلال کے ساتھ فرما رہے تھے ۔

"لوگو ! بیٹھ جاؤ ، میں دیدۂ بینا رکھتا ہوں ۔ جس شخص نے مجھ سے سوال کیا ہے اس کا جواب صرف میرے ذمہ ہے آپ کے نہیں ۔ اگر آپ لوگ خاموش ہو کر نہ بیٹھے تو میں تقریر کئے بغیر چلا جاؤں گا "

اس کے ساتھ ہی فضا پر سکون تھی ، لوگ گوش بر آواز اور شاہ جی ان سے مخاطب ۔ آپ نے محمد شعبان کو سٹیج پر بلایا اور میز پر بٹھا دیا ۔

پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فرمایا !

"میرا موضوع تو کچھ اور تھا مگر "شعبان" تم جانتے ہو۔ فقیر کے میکدے کی روایت ہی کچھ اور ہے۔ یہاں صراحی، مینا اور جام تشنہ لبوں کے منتظر اور ساقی فیاض ہے۔ آج تمہیں نہ مناؤں تو لوگ مجھے کیا کہیں گے ؟"

شاہ جی نے ان جملوں کے بعد سائل سے فرمایا

"دیکھو! تم میرے مسلمان بھائی ہو آؤ میں تمہیں قرآن سناؤں"۔

مختصر خطبہ کے بعد آپ نے سورۂ طٰہٰ کی ابتدائی چار آیات اس انداز میں تلاوت فرمائیں کہ میز پر بیٹھے ہوئے محمد شعبان پر بے خودی اور وجد کی کیفیت طاری ہوگئی پھر سورۂ نجم کی تلاوت شروع کی تو شعبان میز سے زمین پر آگرا۔ اور جب فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى پر پہنچے تو پیر مرید دونوں زمین پر بے خود پڑے تھے۔ پیر اپنے مرید کے سوال پر ہونے والا تماشہ دیکھنے کے لئے سٹیج کے قریب ہی جلسہ گاہ میں موجود تھا۔ کچھ دیر بعد حواس بحال ہوئے تو تقریر ختم ہو چکی تھی اور رات بیت چکی تھی مؤذن کی پکار کفر و شرک کی تاریکیوں کو چیرتی ہوئی مؤمنوں کو بیدار کر رہی تھی اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، پیر مرید دونوں شاہ جی کے قدموں پر گر پڑے۔ شاہ جی نے فرمایا

"یہ سر صرف اللہ کی بارگاہ میں جھکاؤ اس لئے کہ عظمت آدم محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی ذاتِ وحدہٗ لاشریک لہ کے سامنے سربسجود ہیں"۔

پیر نے کہا! شاہ جی مجھے معاف کر دیں۔ میں آپ کو غلط سمجھتا تھا مگر آپ نے قرآن سنا کر مجھے غلط ثابت کر دیا ہے۔

مرید نے کہا! مجھے بھی معاف کر دیں۔ میں تو پیر کے اکسانے پر سوال کے لئے کھڑا ہوا۔ شاہ جی نے فرمایا! جاؤ قرآن پڑھو، قرآن سنو، قرآن سناؤ اور قرآن کی دعوت کو گھر گھر پہنچاؤ۔ تمہارے ہر سوال کا جواب قرآن میں موجود ہے۔

شاہ جی کی تبلیغی جدوجہد سے بھرپور زندگی کے بے شمار واقعات ہیں جو صفحۂ قرطاس پر نہیں دلوں میں محفوظ ہیں۔

یہ واقعہ حافظ شمس الدین صاحب (ساکن چک نمبر ۶۹/ ۷۔ ۵ وہاڑی) کی روایت ہے ان کے بقول مولوی سلطان محمود صاحب اور مولوی غلام قادر صاحب بھی اس منظر کے عینی شاہد اور جلسہ میں موجود تھے۔ جو اب بھی بحمد اللہ حیات ہیں۔

بقیہ صـ ۶۳

(i) میں حلفیہ اقرار کرتا ہوں کہ میرا قادیانی یا لاہوری مرزائیوں سے کوئی تعلق نہیں۔

(ii) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اُن کے بعد کوئی نبی آیا ہے نہ آئندہ آئے گا۔

(iii) مرزا غلام احمد قادیانی کذاب، دجال، کافر و مرتد اور دھوکے باز تھا اور جھوٹا مدعی نبوت تھا۔

(iv) مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی، مصلح، مجدد، مسیح موعود یا شریف آدمی ماننے والے کافر و مرتد ہیں۔

"قادیانیوں اور مرزا غلام احمد کو کافر سمجھتا ہوں"

وفاقی وزیرِ دفاع مسٹر غلام سرور چیمہ کی وضاحت!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

F.1/MSD/90

MINISTER OF STATE FOR DEFENCE
GOVERNMENT OF PAKISTAN
RAWALPINDI

جنوری ۳۰ ، ۱۹۹۰ ء

Ghulam Sarwar Cheema
Minister of State

مکرمی علامہ اللہ یار ارشد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے مزاج گرامی بفضل تعالیٰ بخیر ہونگے -
آپکا گرامی نامہ مورخہ ۲۳ جنوری ۱۹۹۰ مجھے موصول ہوا -

مولانا صاحب میں آپکا تہہ دل سے ممنون و مشکور ہوں کہ آپنے ایک اہم اور مذہبی مسلۂ کے متعلق مجھ سے وضاحت طلب کی ہے ، وہ یہ کہ بعض رسائل نے جن میں ہفت روزہ " چٹان " لاہور شامل ہے میرے قادیانی ہونے سے متعلق جو خبر دی ہے وہ بالکل بے بنیاد اور جُھوٹ پر مبنی ہے - میں اس ضمن میں اُن رسائل کے خلاف قانونی کاروائی بھی کر رہا ہوں -

علاّمہ صاحب آپکی اطلاع کیلیے عرض ہے کہ :-

(۱) اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں ، میری والدہ صاحبہ ، میرے والد بزرگوار اور ان کے تمام عزیز و اقارب مسلمان ہیں -

(۲) میں تمام قادیانیوں اور ان کے پیشوا مرزا غلام احمد کو کافر سمجھتا ہوں -

مولانا صاحب آئندہ بھی جب کبھی اس قسم کی وضاحت مطلوب ہو تو بلا حجاب تحریر فرمائیں مین آپکو خوش آمدید کہوں گا -

والسلام

آپکا دعا گو

(غلام سرور چیمہ)

محترم اللہ یار ارشد صاحب ،
خطیب مسجد احرار اسلام ربوہ
ضلع جھنگ -

حضرت مولانا محمد اسحاق صدیقی مدظلہ

آخری قسط

پاکستان میں نفاذ شریعت اور فکرِ جدید

ڈاکٹر صاحب نے زیر نظر کتاب کے صفحہ ۴۹ پر لکھا ہے کہ "علماء اہل سنت نے تیرھویں[۱۳] صدی ہجری (انیسویں[۱۹] صدی عیسوی) میں جب تجدید فقہ کی کوشش کی تو اس میں اس قدر توسع سے کام لیا کہ ائمہ مجتہدین اہل سنت کے فقہ کے علاوہ بعض اوقات شیعہ فقہ کو بھی اس نظر سے دیکھا تجدید فقہ کے لئے موصوف کا یہ بیان صحیح نہیں ہے اور سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اہل سنت نے کبھی شیعہ فقہ کو لائق التفات نہیں سمجھا، اور اس سے مسائل اخذ کرنے کو کبھی جائز نہیں قرار دیا۔ فقہاء امت نے خواہ وہ ماضی قریب کے ہوں یا ماضی بعید کے ہمیشہ شیعوں کو گمراہ سمجھا۔ بعض نے ان کی تکفیر کی، بعض نے ان کی تکفیر تو نہیں کی مگر انہیں مبتدع اور ضال کہا، ان کے فقہ سے وہ کوئی بات کیسے اخذ کر سکتے تھے۔ اب تو علماء اہل سنت نے متفقہ طور پر شیعہ اثنا عشریہ کی تکفیر کی ہے اور انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ علاوہ بریں ان فقہاء و علماء اہل سنت میں شیعہ مذہب سے تفصیلی واقفیت رکھنے والے بھی شاذ و نادر بلکہ النادر کالمعدوم رہے ہیں۔ جس چیز کا انہوں نے مطالعہ ہی نہیں کیا تھا اس سے کوئی بات اخذ کیسے کرتے اس زاویہ سے بھی دیکھئے تو ڈاکٹر صاحب کی بات بالکل بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے ممکن ہے کہ کوئی فقیہ نا واقفیت کی وجہ سے کسی کے دھوکہ میں آگئے ہوں۔ اگر ایسا ہوا ہو تو اس کی سند نہیں۔ اس کی بناء پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ "فقہ کے مختلف مکاتب بے تلفیق کرنے میں علماء اہل سنت نے اس قدر توسع سے کام لیا ہے کہ بعض اوقات اس سلسلہ میں شیعہ مذہب پر بھی نظر کی ہے" حق یہ ہے کہ علماء اہل سنت نے کسی شیعہ فقہ کو اس نظر سے نہیں دیکھا۔ اور اسے اپنے فقہ کا جزو بنانے یا اس پر عمل کرنے بلکہ اسے لائق اعتنا سمجھنے کو ہی ہمیشہ ممنوع اور حرام سمجھا ہے۔ اس تفصیل سے یہ مسئلہ آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکتا ہے۔ اوپر مختلف مکاتب فقہ سے اخذ و استفادہ کے بارے میں توسع کا جو تذکرہ میں نے کیا ہے وہ فقہ اہل سنت تک محدود ہے۔ سنی فقہ کے سوا کسی فقہ کی طرف اس مقصد سے التفات کرنا بھی جائز نہیں چہ جائیکہ اس سے کچھ اخذ کرنا، اس لئے فقہ جعفری سے کچھ اخذ کرنا، بلکہ لائق اعتنا سمجھنا ہی شرعاً ممنوع اور حرام ہے۔ فقہ جعفری کوئی اسلامی فقہ نہیں اس کی تفصیل میں اپنے ایک سابق مضمون میں کر چکا ہوں

جو نقیب ختم نبوت میں چند ماہ پہلے شائع ہو چکا ہے۔

سنت کے معنیٰ

ڈاکٹر صاحب نے سنت کے معنیٰ پر بہت تفصیلی بحث کی ہے جو علمی زاویۂ نظر سے قیمتی اور قابل قدر ہے۔ لیکن نتیجۂ بحث اخذ کرنے میں موصوف کو غلط فہمی پیدا ہو گئی۔ یہ غلطی انہیں کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب مرحوم سے بھی یہی لغزش سرزد ہوئی ہے۔ کتاب میں اس مسئلے پر پروفیسر جوزف شاخت، پروفیسر کالوس وغیرہ مستشرقین مغرب کے اقوال و آراء نقل کئے گئے ہیں۔ شاید انہیں سے متاثر ہو کر ڈاکٹر صاحب اس غلطی میں مبتلا ہوئے جس کی وجہ سے انہوں نے نتیجہ نکالنے میں غلطی کی۔ اس غلط فہمی کی شرح یہ ہے کہ یہ مغربی مستشرقین و مفکرین مسلمان نہیں ہیں قرآن و حدیث کا مطالعہ کرنے کے باوجود یہ ایمان سے محروم رہے۔ انہوں نے خاتم النبیین سید الاولین والآخرین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک مصلح (REFORMER) سمجھا ہے اور اسی حیثیت سے ان کی لائی ہوئی شریعت مقدسہ پر بحث و گفتگو کی ہے۔ افسوس ہے کہ زیر نظر کتاب کے فاضل مصنف اور ڈاکٹر محمد اقبال صاحب مرحوم نے مستشرقین کی اس غلطی اور فکری بے راہ روی پر نظر نہیں کی۔ اور غیر شعوری طور پر انہیں کا زاویۂ اختیار کر لیا۔

نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل حیثیت یہ نہیں ہے کہ آپ مصلح ہیں۔ بلکہ اصل رتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مبعوث کئے ہوئے رسول اور نبی ہیں۔ مستشرقین کی طرح ان حضرات نے نبی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل مرتبہ عظیمہ سے چشم پوشی کر کے سنت کے معنیٰ پر غور کیا، اس لئے غلط نتائج تک پہنچے۔

نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول و نبی ہیں، خاتم النبیین والمرسلین ہیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت قیامت تک باقی رہے گی، یعنی دائمی و ابدی ہے، اور آپ کی بعثت "کافۃ الناس" یعنی دنیا کے ہر ملک اور کرۂ ارض پر رہنے والی ہر قوم کی طرف ہوئی ہے اس کے ساتھ یہ بھی مستحضر کر لیجئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام دئیے ان کی تعلیم آپ کو وحی ربانی نے دی تھی، جو احکام آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اجتہاد سے دیے ان کی تصویب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو گئی، ان سب امور و عقائد کو ذہن میں رکھ کر جب ہم شریعت مقدسہ کے زمانی و مکانی پہلو پر غور کریں تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام قولاً، عملاً یا تقریراً امت

کرتبائے ۔ یا جو طریقہ و طرز مقرر فرمایا ۔ وہ اصلاً دنیا کے ہر خطے اور ہر قوم کے لئے ہیں اور کسی مخصوص معاشرے اور کسی متعین و محدود زمانے کی قید سے بھی آزاد ہیں ۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض احکام عرب کے اس مخصوص معاشرے کے ساتھ مخصوص تھے ۔ یہی نہیں کہ ہم اس سے بھی بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اعمال خود آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص تھے ۔ جن پر عمل کرنے کی دوسروں کو اجازت بھی نہ تھی ۔ مثلاً ہر امتی پر نکاح کے بارے میں یہ پابندی عائد ہے کہ بیک وقت چار سے زائد بیویوں کا شوہر نہیں بن سکتا —— لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ پابندی عائد نہ تھی ۔ اور یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی ۔ بیک وقت چار سے زائد ازواج رکھنا ہر امتی کے لئے حرام ہے ۔ اسی طرح صوم وصال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے ۔ لیکن آنحضورؐ نے دوسروں کو اس کی ممانعت فرمائی ہے ۔ یہ سنت بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھی ۔ دیت اونٹوں کے حساب سے مقرر فرمائی گئی تھی ۔ یہ حکم مخصوص عربی معاشرے کے ساتھ خاص تھا ۔ کیونکہ عرب میں اس وقت سب سے زیادہ قیمتی مال اونٹ ہی تھا ۔ لیکن کسی دوسرے ملک میں ، یا خود عرب میں زمانے میں دیت میں اونٹ دینا ضروری نہیں ۔ بلکہ اسی کے حساب سے ریال ، یا اور کسی قسم کا مال بھی دیا جا سکتا ہے ۔ بلکہ ایسا ہی مال دیا جائے گا جو اس معاشرے اور اس ملک میں مفید ہو ، اور جس کی احتیاج زیادہ ہو ۔

یہ خصوصیت کی مثالیں ہیں ۔ اس قسم کی اور مثالیں بھی مل سکتی ہیں ۔ لیکن اس تخصیص کے لئے دلیل کی احتیاج ہوگی ۔ جب تک اس پر کوئی اطمینان بخش دلیل شرعی قائم نہ ہو اس وقت تک ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت مقدسہ کے کسی حکم کو کسی زمان ، مکان یا کسی معاشرے ، ملک یا قوم کے لئے تو مخصوص نہیں سمجھ سکتے ۔ اس لئے ہم ہر "سُنّت" کو ہر زمانہ اور معاشرے کے لئے اور ہر ملک و قوم کے لئے عام ہی سمجھتے ہیں ۔ صرف ان سنتوں کو اس کلیہ سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں جن کی تخصیص اور جن کے استثنار پر کوئی دلیل شرعی ملتی ہے ۔ جن سنن کو ہم عام قرار دیتے ہیں اگر بالفرض ان میں سے کسی کی تخصیص پر کوئی دلیل شرعی قائم ہو جائے تو اسے بھی ہم مستثنیات میں داخل کرنے کے لئے تیار ہیں ۔ لیکن دلیل شرعی ہونا چاہیئے جو شرعاً معتبر ہو ۔ محض خواہش ، یا صرف ایسی عقلی دلیل کی بنا پر جو شرعاً معتبر نہ ہو ، کسی سنت اور کسی حکم شرعی کو ، دور نبوی ، یا دور خلافت کے ساتھ یا عرب اور اس کے معاشرے کے ساتھ مخصوص قرار دینا ، اور دور موجودہ میں ، یا عرب کے علاوہ کسی دوسرے ملک میں اس کی تعمیل کو غیر ضروری سمجھنا ، ہمارے نزدیک تحریفِ شریعت ہے ۔

جو کسی طرح جائز نہیں ، اور جن کا معصیت کبیرہ ہونا تسلیم شدہ ہے ۔ اس حقیقت کی وضاحت بھی ضروری ہے جو جناب مصنف کی نظر سے اوجھل ہو گئی ۔ موصوف نے سنت کے معنیٰ بیان کرنے میں تفصیل سے کام لیا ہے اور متعدد معتبر مراجع سے اس کے معنیٰ نقل کئے ہیں اور بتایا ہے کہ سُنّت کے معنیٰ "طریق مستقیم" بہترین طریقہ مثالی طریقہ جو دوسروں کے لئے نمونہ بن سکے ۔ طریقہ مسلوکہ ، طریقہ متبوعہ ہیں ۔ ان سب کا ماحصل ایک ہی ہے ہمیں ڈاکٹر صاحب سے اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ، لیکن اس سے موصوف نے جو اخذ و استنباط کیا ہے ۔ اس میں غلطی کی ہے ۔ سنّت کے یہ معنیٰ بالکل صحیح ہیں ۔ مگر یہ اس کے لغوی اور عرفی معنیٰ ہیں ۔ بہت سے علماء نے " سنت رسول کریم علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے معنیٰ بیان کرتے میں اس لفظ کے اصطلاحی معنیٰ کی مناسبت اس کے لغوی و عرفی معنیٰ کے ساتھ بیان کرنے کے لئے اس کی تشریح بھی اس طرح کی ہے کہ وہ طریقہ مستقیمہ ، یا بہترین طریقہ جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا ۔ اس سے ڈاکٹر اور اس کے ہم خیال حضرات کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ سنت کے اصطلاحی معنیٰ بھی یہی ہیں ۔ سنّت کے یہ معنی بالکل صحیح ہیں ۔ لیکن فقہاء و محدثین جب یہ کہتے ہیں کہ سنت بھی شریعت اور قوانین شرعیہ کا ایک ماخذ ہے ۔ تو اس کے لغوی و عرفی معنیٰ نہیں مراد لیتے بلکہ اس لفظ سے مراد وہ طریقہ ہوتا ہے جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا اور جسے اختیار کرنے کی امت کو تعلیم دی ، بلاشبہ ہر مسنون طریقہ بہترین اور مثالی ہے اور طریق مسنون ہی صراط مستقیم ہے ۔ لیکن استنباط مسائل میں اس کے یہ اوصاف پیش نظر نہیں ہوتے اور نہ ان اوصاف کی بناء پر اس کی اتباع کی جاتی ہے بلکہ ان صورتوں میں صرف یہ امر ملحوظ رکھا جاتا ہے اور اس کی صرف یہ حیثیت پیش نظر ہوتی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار کیا ہوا اور تعلیم کیا ہوا طریقہ ہے ۔ قرآن حکیم میں اطاعت رسول اور اتباع رسول کا حکم دیا گیا ہے ۔ یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ تم اس طریقہ کی اتباع کرو جو بلحاظ زمان ومکان اور معاشرے کے حالات وظروف کے اعتبار سے بہترین اور مثالی ہو ۔ ہم سنت سے احکام ومسائل اخذ کرتے ہیں ۔ جن کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت ہوتا ہے ۔ اگر بالفرض کسی وقت وہ مصلحت اس طریقہ سے حاصل نہ ہو سکے جو رسولِ کریم علیہ افضل الصلوات والتسلیم کے زمانہ ، اور ملک عرب میں حاصل ہوتی تھی ۔ تو بھی ہم اسی طریقہ کو اختیار کریں گے ، اور اسی کا اختیار کرنا فرض و واجب سمجھتے ہیں جس کی تعلیم قول یا عمل یا تقریر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے ۔ مستشرقین مغرب اسلام سے محروم ہونے کی وجہ سے اس حقیقت سے بے خبر ہے اور اپنی اس بے خبری کی وجہ سے اسلامی احکام

میں ردوبدل کی تجویز پیش کردی، ان بے خبروں کے آراء سے متأثر ہوکر، ڈاکٹر محمد اقبال صاحبؒ اور زیرِ نظر کتاب کے محترم مصنف بھی ان کے ہم آراء ہوگئے اور اس نکتہ کی طرف انہیں التفات نہیں ہوا، اس کی طرف التفات نہ کرنے، اور اس حقیقت کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے ان حضرات سے دوسری غلطیاں صادر ہوئیں بطور مثال ڈاکٹر محمد اقبال صاحب مرحوم کی مندرجہ ذیل رائے ملاحظہ ہو جو زیرِ نظر کتاب میں جناب مصنف نے موصوف کی کتاب " ری کنسٹرکشن آف ریلیجس تھاٹ ان اسلام " سے نقل کی ہے :-

" اصول کو عملی شکل دینے سے جو شرعی اقدار (احکام) وجود میں آئے ہیں (یعنی وہ ضوابط جو سزاؤں کے متعلق ہیں ایک معنیٰ میں اسی زمانہ کے لوگوں کے ساتھ مخصوص تھے ۔ اور آنے والی نسلوں میں سختی کے ساتھ نہیں نافذ کئے جا سکتے " (ص۹۱)

ڈاکٹر صاحب کی یہ رائے جزئی اور استثنائی حیثیت وصورت میں تو صحیح کہی جاسکتی ہے لیکن اسے ایک اصول کلی کی صورت میں پیش کرنا ہمارے نزدیک صحیح نہیں " ان لوگوں کے ساتھ مخصوص " (SPECIFIC TO THAT PEOPLE) کہنا بھی کوئی مناسب تعبیر نہیں ۔ اس کے بجائے ان احوال کے ساتھ مخصوص کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے ۔ قرآن مجید صرف عرب کے لئے تو نہیں نازل ہوا ہے ۔ اور نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت صرف عرب کے لئے تو نہیں ہوئی ہے ۔ اس لئے شریعت کے بعض احکام کو بعض احوال کے ساتھ تو مخصوص سمجھا جاسکتا ہے ۔ لیکن کسی ملک، یا قبیلے، اور شہر کے لئے نہیں مخصوص سمجھا جا سکتا ۔ ڈاکٹر صاحب کے بیان مذکور کو میں نے کلیتہً رد نہیں کیا ہے ۔ بلکہ اسے ایک کلی اصول کی حیثیت سے تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے ، اس کی وجہ یہ ہے کہ سزاؤں کے متعلق بعض ضوابط شرعی ایسے ہیں جنہیں اس دور کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھا جا سکتا اور انہیں کسی زمانہ اور حالت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔ مثلاً سارق کے لئے قطع ید کی سزا شریعت نے مقرر کی ہے ۔ مگر یہ سزا اسی وقت دی جاسکتی ہے ۔ جب جرم ثابت ہو جائے ۔ ثبوت جرم کے لئے لازم ہے کہ خود ملزم اقرار جرم کرے یا دو چشم دید عادل گواہ اس کی شہادت دیں ۔ اس قاعدے میں نرمی برتنا مثلاً دو شاہدوں کے بجائے ایک ہی شاہد کی شہادت سے حد جاری کر دینا ۔ جائز نہیں کہا جا سکتا ، اوّل تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دونوں شرائط وضوابط قرآن مجید سے ثابت ہیں ۔ اللہ تعالیٰ علیم

ذخیرہ ہے۔ اگر یہ صرف وقت نزول کے حالات کے ساتھ مخصوص ہوتے تو قرآن مجید میں اس کی وضاحت فرما دی جاتی یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما دیتے۔ جب اس قسم کی کوئی بات نہیں ملتی تو اسے کسی قوم ملک یا معاشرے کے ساتھ مخصوص کیسے سمجھا جا سکتا ہے؟ ہمیں اس کا کیا حق ہے کہ ہم کسی حکم شرعی کو اپنی رائے سے کسی دور میں منسوخ قرار دیں؟

دوسرے یہ کہ "قطع ید" ایک سخت سزا ہے۔ حدود کے بارے میں شریعت کا عام اصول یہ ہے کہ ان کے اجراء میں بہت احتیاط برتی جائے۔ فقہاء کا مسلمہ اصول ہے کہ حدود شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ جرم کے بارے میں ذرا سا ہی شبہ پیدا ہو جائے تو حد ساقط ہو جائے گی، اور حد جاری کرنا جائز نہ ہوگا۔ شریعت کے اس رجحان پر نظر کرنے کے بعد مقبول شہادت کے بارے میں اس نرمی کی کوئی گنجائش نہیں باقی رہتی۔ شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس بارے میں سنّت کی پابندی میں اس قدر شدت برتی گئی تو سرقہ کرنے کی جرأت ان لوگوں میں بڑھے گی جو اس قسم کے جرائم کے خوگر ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ حد ساقط ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مجرم کو کوئی سزا ہی نہ دی جائے۔ اگر قوی قرائن سے جج کے نزدیک ملزم کا جرم ثابت ہو جائے تو وہ اسے متبادل سزا دے سکتا ہے۔ اور حکومت اصول "سد ذریعہ" کے ماتحت اس قسم کا قانون وضع کر سکتی ہے۔ جس کی رو سے قاضی ایسے مجرموں کو مقررہ سزا دے سکے، جن پر فقدان شرائط کی وجہ سے حد جاری نہیں کی جا سکتی اور ان کا جرم ثابت ہونے کی وجہ سے انہیں کوئی مناسب سزا دینا لازم ہو۔ یہ ایک مثال ہے۔ اس قسم کے مسائل اور بھی ہیں۔ اس لئے ہم دونوں فضلاء یعنی ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم اور ڈاکٹر گورایہ صاحب کے مندرجہ بالا اصول کو بصورت کلیہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا بیان

سُنّت کے معنیٰ کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا جو قول نقل کیا گیا ہے وہ ان فضلاء کی تائید نہیں کرتا۔

——— حضرت شاہ صاحبؒ تو امام مالکؒ کا ایک اصول اجتہاد بیان فرما رہے ہیں کہ وہ آثار و احادیث کا استقراء کر کے ایک ضابطہ کلیہ اخذ کرتے تھے، جو ان سب میں مشترک ہوتا تھا۔ اور اسی کو "سُنّت" کہتے تھے۔ اگر کوئی حدیث ایسی ملتی تھی جو اس ضابطہ عامہ اور قاعدہ کلیہ کے خلاف ہو تو اسے سُنّت نہیں کہتے تھے۔ اور اس کی بنا پر اس ضابطہ عامہ اور قاعدہ کلیہ کو نہیں چھوڑتے

تھے۔ بلکہ اس حدیث کی کوئی تاویل کرتے تھے۔ یا کسی خاص محل پر محمول کرکے اسے مستثنیات میں داخل کرتے تھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ وہ صرف اس بناء پر سُنّت کہتے تھے کہ وہ ایک بہترین، اور مثالی طریقہ اور قابل تقلید طرزِ عمل ہے۔ وہ یقیناً اسے ان اوصافِ حسنہ سے متصف سمجھتے تھے لیکن اسے حکم شرعی کا ماخذ ان اوصاف کی بناء پر نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس بناء پر اسے ماخذ حکم شرعی قرار دیتے تھے کہ وہ طرزِ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا تھا اس کے بعد اس کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ امام مالکؒ اس کے عملی ضوابط'' یا اس کی عملی شکلوں کو دورِ نبوی، اور دورِ خلفاء راشدین یا اہل عرب کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہوں۔ وہ یقیناً ان سب کو عام ہی سمجھتے تھے اور کسی زمان و مکان یا قوم کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھتے تھے۔ سوا اس صورت کے ——— جب اس تخصیص کی کوئی دلیل پائی جائے جس کی ضروری تفصیل پیش کر چکا ہوں۔

یہ بھی واضح رہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک سنت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ متعدد احادیث و آثار سے ثابت ہو اگر ایک روایت سے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصولی طرزِ عمل معلوم ہو جائے اور وہ قاعدہ کلیہ سمجھ میں آجائے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی امر کے بارے میں اپنے طرزِ عمل میں ملحوظ فرماتے تھے تو اسی اصولی طرزِ عمل کو وہ سنت کہتے ہیں۔ اگرچہ اس کے علم کا ذریعہ ایک ہی روایت ہو۔

سُنّت کے معنیٰ وسیع اور مُتّفق علیہ ہیں

سُنّت کے معنیٰ طریقہ کے ہیں۔ اس کی مناسبت سے رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔ کے ہر قول و فعل اور تقریر کو سُنّت کہتے ہیں حدیث کو بھی سنت ان معنیٰ میں کہتے ہیں کہ وہ یا تو خود قولِ نبویؐ سے عبارت ہوتی ہے۔ یا اس کی یا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل، یا آپ کی کسی تقریر کی حکایت و تعبیر ہوتی ہے۔ یعنی اس طریقہ، اور طرزِ عمل کو بتاتی ہے جو کسی مسئلے میں آپ نے اختیار فرمایا تھا، تقریر کے معنیٰ یہ ہیں کہ کسی مسئلے کے بارے میں کسی شخص مومن نے اپنے اجتہاد سے یا پھر اجتہاد کا ایسا کوئی طرز و طریقہ اختیار کیا جس کا علم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا اور آپ نے اسے اس طرزِ عمل سے منع نہیں فرمایا۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اسے صحیح قرار دیا۔ آنحضورؐ کا اُسے صحیح قرار دینا اسے سُنّت بنا دیتا ہے۔

سنت کے یہ معنیٰ فقہاء و محدثین کے درمیان متفق علیہ ہیں۔ امام مالکؒ کے بعض اقوال سے جو ڈاکٹر

صاحب اور بعض دوسرے حضرات کو یہ شبہ ہوا ہے کہ امام صاحب موصوف کے نزدیک سنت کے معنی نمونہ کا ضابطہ کلیہ تک محدود تھے، صحیح نہیں ہے۔ سنت کے مذکورہ بالا عام اور وسیع معنیٰ کے متعدد اقسام نکلتے ہیں۔ ہر سنت کا حکم یکساں نہیں ہے۔ فقہاء بعض اوقات ان اقسام کے درمیان تقابل کو پیش نظر رکھ کر ہی ان کے متعلق بحث و گفتگو کرتے تھے۔

امام مالکؒ کا یہ اصول اجتہاد تھا کہ وہ کسی مسئلے کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل، یا تقریر پر اس حیثیت سے نظر کرتے تھے کہ اس سے کوئی اعلیٰ اور مثالی طرز عمل اور اصول کار معلوم ہوتا ہے یا نہیں جسے ضابطۂ عامہ بنایا جائے؟ اگر اس تک ان کی فہم کی رسائی ہوتی تھی، تو ان کی رائے یہ ہوتی تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اصول عمل اور ضابطۂ عامہ کی اتباع کا حکم دیا ہے، یا اس کی ترغیب دی ہے۔ گویا مقصود اتباع اور سنت متبوعہ ہے یہی اصول مقصود ہے نہ کہ اس کی کوئی مخصوص خارجی شکل۔ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کی مخصوص عملی صورتیں سنت نہیں ہیں۔ یا حدیث سنت کے دائرے سے خارج ہے۔ ایک مثال کے ذریعہ میں اس کی مزید وضاحت کرتا ہوں۔

فرض کیجئے ایک مریض کے قریب مختلف ادویہ کی دس شیشیاں رکھی ہیں۔ تیماردار ایک شیشی اُٹھا کر مریض سے کہتا ہے کہ تمہاری دوا یہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ طبیب نے تمہارے مرض کے لئے جو دوا تجویز کی ہے وہ یہ ہے۔ اس سے دوسری شیشیوں میں رکھی ہوئی دواؤں کے دوا ہونے کی نفی نہیں لازم آتی۔ دوسری شیشیوں میں رکھی ہوئی چیزیں بھی دوائیں ہیں۔ مگر وہ اس مریض کے لئے نہیں ہیں اس لئے ان کے مقابلے میں وہ اس کی دوا نہیں ہے اسی طرح اس طریق مثالی اور ضابطۂ عام عملی کو سنت متبوعہ کہتے ہیں اور اس کے مقابلے میں اس کی مخصوص صورت عملی کو غیر متبوعہ قرار دے کر اس کے سنت ہونے کی نفی نہیں کرتے بلکہ سنت مقصودہ، اور مامورہ بہا ہونے کی نفی نہیں کرتے بلکہ اس کے اس کی سنیت کی نفی لازم نہیں آتی۔ **حاصل کلام** یہ کہ سنت کا دائرہ وسیع ہے اور سنت کے معنیٰ کے بارے میں فقہاء و محدثین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سنن عادیہ بھی سنت ہی کی ایک قسم ہیں لیکن ان کی اتباع مقصود نہیں۔ اور ان پر عمل کرنے کا کوئی مطالبہ شریعت کی طرف سے نہیں ہے۔ مگر اس کی وجہ سے وہ دائرہ سنت سے خارج نہیں ہو جاتیں۔

سُنّت کے اس متفق علیہ مفہوم و معنیٰ کے پیش نظر ایک فقیہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی

قول یا فعل، یا تقریر کو نظر انداز نہیں کر سکتا اور اس حقیقت کو ملحوظ رکھنے کے بعد کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کافۃ الناس کے لئے ہوتی ہے۔ فلہٰذا وہ کسی زمانہ کے ساتھ بھی مخصوص و محدود کسی سنت کو کسی ملک، قوم، معاشرے کے ساتھ اس وقت تک مخصوص نہیں سمجھ سکتا —— جب تک کہ اس تخصیص کے لئے اسے کوئی دلیل شرعی نہ مل جائے۔ البتہ ایک سنت کو دوسری سنت پر ترجیح دینا جائز ہے۔ اور فقہاء اپنے اپنے اصول اجتہاد اور مذاق کے مطابق ایسا کرتے بھی ہیں۔ اکثر و بیشتر مسائل میں اختلافات اسی اختلاف ترجیح پر مبنی ہوتا ہے۔ مگر کتاب و سنت کی اتباع سب کے پیش نظر ہوتی ہے۔ فقط۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

احرار کارکنوں کے نام

ہدایات

شہداء ختم نبوت کانفرنس ربوہ میں شرکت کے لئے آنیوالے احرار کارکن درج ذیل امور پر توجہ فرمائیں

(۱) کانفرنس میں ہر کارکن لازماً شریک ہو اور سرخ قمیض کا اہتمام کرے۔

(۲) موسم کے مطابق ہلکا بستر ہمراہ لائیں۔

(۳) تمام ساتھی ۲۲ر مارچ جمعرات ظہر تک ربوہ پہنچ جائیں۔

(۴) رات کو دیر سے تشریف نہ لائیں۔

(۵) اڈہ ربوہ پر احرار کارکنوں کا ایک استقبالیہ کیمپ آپکی رہنمائی کیلئے قائم کر دیا گیا ہے

(۶) کانفرنس کے موقع پر ربوہ شہر میں گھومنا پھرنا سخت منع ہے۔

(۷) کانفرنس میں شریک ہونیوالے افراد کی تعداد سے مولانا اللہ یار ارشد کو ۲۰ر مارچ تک بذریعہ ڈاک مطلع فرمائیں۔

(۸) رکنیت و معاونت سازی کی تاریخ ۱۰ر مارچ سے بڑھا کر ۲۰ر کر دی گئی ہے۔ مقررہ تاریخ تک انتخابات مکمل کر کے فارم براہِ راست مرکز کو بھیج دیں یا ربوہ ہمراہ لائیں۔

ناظم استقبالیہ، شہداء ختم نبوت کانفرنس،

خادم حسین

زبان میری ہے بات انکی

- پیپلز پارٹی ملک میں اقتصادی استحکام پیدا کرنا چاہتی ہے ۔ (نصرت بھٹو)

صرف پیپلز پارٹی کے کارکنوں کے لئے ۔

- پتنگ ہاتھ نہ آئی ، زندگی کی ڈور کٹ گئی (ایک خبر)

پتنگوں کا کاروبار کرنے والے خدا کا خوف کریں

- اُردو زبان کے خلاف کوئی سازش کامیاب نہیں ہونے دیں گے ۔ (عامر احسان ایم این اے)

لیکن رُعب جمانے کے لئے انگریزی بھی ضرور بولیں گے ۔

- ضیاء الحق کے قتل میں امریکہ اور پاکستان دونوں حکام ملوث ہیں (ایمکٹ)

ہر مسافر کو خبر کر دو یہ میرے تجربے کا جوہر ہے

رہبروں کی فریب کاری سے رہزنوں کا خلوص بہتر ہے

- بے گناہ لوگ کب تک مرتے رہیں گے ! (جتوئی)

جب تک سیاست دان زندہ رہیں گے ۔

- روس میں کمیونزم کا خاتمہ ہو جائے گا ۔ (روس کے سرکاری اخبار کی پیش گوئی)

پاکستان میں سرخ انقلاب لانے والوں کو مبارک !

- مسئلہ کشمیر کا حل جنگ میں نہیں پُرامن مذاکرات میں ہے ۔ (پیر ریاض قریشی)

"جنگ کھیڈ نئیں ہوندی زنانیاں دی "

- مغربی جمہوریت ، امیر لوگوں کا گندا کھیل ہے ۔ (ظفر اللہ جمالی)

سچ بولیا ای سوہنیاں ! تینوں رب دیاں رکھاں ۔

- سُنی، شیعہ اختلافات کی بات کرنے والے اسلامی اقدار کے دشمن ہیں۔
(آقائے علی قمی ۔ قونصل جنرل ایران مقیم لاہور)

تو پھر کہہ دو۔" صدیق، عمر، عثمان، علی، معاویہ، عائشہ، حفصہ رضی تعالیٰ عنہم"

- پیپلز پارٹی جلد ہی پنجاب میں حکومت بنالے گی۔ (پرویز صالح)

تو کارِ سندھ را نکو ساختی ٭ کہ با پنجاب نیز پرداختی

- مہاجر علیحدہ قوم نہیں سرائیکیوں کی قومیت الگ ہے۔ مخدوم خلیق)

سرائیکی علیحدہ قوم نہیں ـــــ سب پاکستانی ہیں۔

- پنجاب کے تعلیمی بورڈوں نے انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانے سے انکار کردیا۔ (ایک خبر)

کہ ہر قوم کی تہذیب اسکی زبان کی آغوش میں پرورش پاتی ہے۔

- اپوزیشن لیڈر ـــــ میرے دو پٹوں کی بات کرتا ہے۔ (بے نظیر)

ہو ہائے ـــــ وے پاتینوں شرم نئیں آندی!

- تین سال سے پانچ سال کی عمر کے ۹ قیدی ۹ سال تک پولیس کے ریمانڈ ھاؤس میں سڑتے رہے (اپ پا)

میرے ڈھول سپاہیا! تینوں کُھڑی وِرچ ڈُکاں۔

- بے نظیر کے سر سے ابھی فوج کا بھوت نہیں اُترا۔ (فضل الرحمٰن)

"جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے۔"

- مرتضیٰ بھٹو واپس آئے تو گولی کا نشانہ بن جائیں گے۔ (نُصرت بھٹو)

بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔

- حکومتِ پنجاب نے گریڈ ۲۰ کے ایک ریٹائرڈ آفیسر (ایم اے عباسی) کو (پابندی کے باوجود) کنٹریکٹ پر ملازمت دے دی۔ (ایک خبر)

پوسٹ گریجوایٹ نوجوان بیکار پھر رہے ہیں، کچھ تو شرم کریں۔

- پارٹی سے وفاداری اور بے نظیر کی قیادت پر اعتماد میرے ایمان کا حصّہ ہے۔ (معراج خالد)

پیپلز پارٹی سے ایمان کی صِفتوں میں سے ایک صِفت۔

- قتل و غارت کرنے والوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے (بے نظیر کی وزیر اعلیٰ سندھ کو ھدایت)

زبانی جمع خرچ سے کیا ہوتا ہے۔

- قوم قرضوں کے بوجھ تلے دبی ہے۔ قرضے نمازوں سے نہیں اُتریں گے۔ (ڈاکٹر جاوید اقبال)

ڈاکٹر صاحب! قرضے آپ جیسے مذہب بیزار لوگوں نے مُلک پر مُسلّط کئے ھیں، باقی نمازوں سے قرضے چڑھتے بھی نہیں۔

- پی پی کارکنوں کے ہاتھوں محمد حسین آزاد کی پٹائی۔ دفتر پر قبضہ کرلیا۔ (ایک خبر)

"ھُوبہو! ہور چُوپو گنّے" ! ...

- مولانا نورانی کی غلط پالیسیوں سے عورت کی حکمرانی کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ (فضل کریم)

مولانا نُورانی ——— عورت کی حکمرانی؟

ہونٹوں پہ لاکھاپانوں کا ——— اور آنکھیں سُرمے دانی

- پیپلز پارٹی نے ھمیں ۲ کروڑ روپے رشوت دینے کی کوشش کی تھی۔ (فضل الرحمٰن)

سراج دین پوری سجادہ نشین آف پیپلز پارٹی؟ جواب دیں۔

- آفتاب میرانی بھی قائم علیشاہ کی طرح شریف اور نرم آدمی ھیں۔ (ریڈیو رپورٹ)

"ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے"۔

- آمریت کے حامی ختم نہیں، زیادہ منظم ہو گئے ھیں۔ (بے نظیر)

غالباً اپنے بارے میں کہہ رہی ھیں آپ۔

- ھم نے لوگوں پر اور کیس بنائے ہوں گے۔ عورت کا کیس کبھی نہیں بنایا (ڈاکٹر غلام حسین)

عورتوں کو ھم ویسے ہی اغوا کر لیتے ھیں۔

- سیاسی رہنما فرخندہ بخاری اور شاعر شہرت بخاری میں طلاق ہوگئی۔ (ایک خبر)

- نیازی نے نُورانی کو جمعیت سے نکال دیا۔ (دوسری خبر)

گھر سے عورت اور بندوق سے گولی، ایک دفعہ چلی تو توبہ ہی بھلی!

- پیپلز پارٹی ملک کو کس سانحہ کی طرف لے جا رہی ہے۔ (ولی خان)

تو تم کھڑا کیا دیکھ رہا ہے خان؟

نقد و نظر

آخری قسط

مولانا محمد عبدالحق چوہان

اظہارِ حقیقت

عویمر بن مالک ویقال ابن عامر الانصاری الخزرجی ابوالدرداء اسلم یوم بدر وشهد أحداً فابلی یومئذ روی عنه ابنه بلال وزوجة ام الدرداء ۔ وجبیر بن نفیر وخلق ۔ والحقه عمر بالبدریین فی العطاء مات سنة اثنین وثلاثین

[اسعاف المبطاء برجال الموطاء از علامہ سیوطی ۔ زیرِ عنوان حرف العین]

حضرۃ عویمر بن مالک اور بعض نے آپ کے والد کا نام عامر ذکر کیا ہے آپ انصار کے قبیلہ خزرج سے ہیں کنیت انکی ابوالدرداء ہے ۔ بدر کے دن مسلمان ہوئے اور غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اور اسی یوم بہت تکلیف برداشت کی اُن سے روایت کرنے والے اُنکے فرزند حضرۃ بلال اور اُنکی زوجہ محترمہ ام الدرداء اور جبیر بن نفیر اور ان کے علاوہ اور بھی لوگ ہیں حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ نے وظیفہ میں ان کو اصحابِ بدر کے ساتھ لاحق کیا تھا اور اُنکی وفات ۳۲ھ کو ہے ۔

اور علامہ ابوالحسنات عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ "تعلیق الممجد علی موطا محمد" میں جامع الاصول کے حوالہ سے حضرۃ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے تعارف میں فرماتے ہیں :

اشتهر بکنیة والدرداء ابنته کان فقیهاً عالماً شهد مابعد احد و سکن الشام ومات بدمشق ۳۲ھ [جامع الاصول بحواله التعلیق الممجد علی موطا محمد ۔ ص۵۸ ۔ حاشیہ ۸]

حضرۃ ابودرداء رضی اللہ عنہ اپنی کنیت سے مشہور ہیں اور درداء اُن کی دختر کا نام ہے ۔ یہ بہت ہی بڑے فقیہہ اور عالم تھے اُحد اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے ۔ انہوں نے شام میں سکونت اختیار کی تھی ۔ اور ۳۲ھ کو دمشق میں فوت ہوئے

اس واقعہ میں اسطرح کی صریح غلط بیانی کرنا کہ ایک صحابی کو فوت ہوئے تیس بتیس سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے اتنی طویل مدت کے بعد اسکو زندہ فرض کر کے شریکِ مشورہ دیکھا گیا ہے ۔ ہمارے اس دعویٰ کیلئے مؤید ہے کہ " الأمامة والسياسة " کی نسبت ابن قتیبہ کی طرف

جعلی اور وضعی ہے۔ کیونکہ ابن قتیبہ کے تبحر علمی کے پیش نظر اُن سے اس طرح کی غلط بیانی کا صدور محال ہے۔ نقد و جرح کے محققین نے یہ اصول وضع کیا ہے کہ جو روایۃ اس طرح کے محال پر مشتمل ہو اس روایۃ پر قطعی طور پر غلط ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ اگرچہ اس روایۃ کی سند سورج کی طرح واضح ہو تب بھی اس پر وضعیت کا حکم ثبت ہوگا۔

فلو کان اسناد هذا الحدیث کالشمس — اگرچہ اس حدیث کی سند سورج کی طرح واضح،

کان غلطاً و وهماً ۔ "زادالمعاد" — تب بھی وہ غلط اور کسی کے وھم کا اختراع ہے۔

ان غیر منقول اور موثق تاریخی روایات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ اس وقت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اس دنیائے فانی میں موجود ہی نہ تھے۔ پھر ان کے شریک مشورہ ہونے کا تصور ہی ناممکن ہے۔ اسلئے یہ واقعہ ہی غلط اور کسی سبائی کے ذھن کا اختراع کردہ ہے پھر اس افسانہ میں ایک صحابی کی طرف صریح کذب بیانی کی نسبۃ کی گئی ہے اس لئے کہ جب حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقصد ہی یہ نہ تھا کہ وہ ابن سلام کو اپنی دامادی کے شرف سے نوازیں تو پھر اس معاملہ میں استخارہ کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے۔ اگر بالفرض ھم اس صریح کذب اور وضعی کہانی میں یہ امر ایک لمحہ کے لئے تسلیم کرلیں کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اس وقت موجود تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پیغام رسانی کا فریضہ بھی انہوں نے انجام دیا۔ تب بھی یہ بات عادتاً نادر الوقوع ہے اس لئے کہ ابن سلام کو جب صحابہ میں شمار کیا گیا تو ان کی ولادت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے قبل ہی تسلیم کرنا ہوگا۔ اور اگر انکی ولادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے اتنی پہلے تسلیم کی جائے کہ انہوں نے حالتِ شعور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارۃ کی ہو تو کم از کم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت انکی عمر سات سال ہوگی۔ اور یزید کی "ولایت عہد" کے وقت انکی عمر ۵۳ سال ہوگی اور یہ واقعہ اسکی ولایت عہد کے بعد کا ہے۔ اگر ایک سال کی بعدیۃ کا اعتبار کریں۔ تو اُن کی عمر اس وقت کم از کم ۵۴ سال ہوگی۔ یہ مقدارِ احتمالات کے لحاظ سے سب سے زیادہ کم عمر کی صورۃ ہے۔ اب اس عمر کے زمانہ میں ایک دوشیزہ کے ساتھ ان کی ازدواجی زندگی کا معاملہ طے ہو رہا ہے۔ اور اس عقد کے استوار کرنے کیلئے دو جلیل القدر صحابیوں کا انتخاب کیا گیا ہے اور اس پیغام رسانی سے پہلے ان سے مشورہ ہو رہا ہے۔ تو عمر کے اس تفاوۃ کے اعتبار سے بطابق شرعی اصول "المستشار مؤتمن" حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہما پر دیانتاً فرض عائد تھا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیتے کہ یہ "مُعَاقَدَہ" غیر مناسب ہے اس لئے کہ عمر کا بہت ہی زیادہ تفاوۃ ہے اور عمر کے اعتبار سے اتنا بین تفاوۃ زوجین کی ازدواجی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ لہذا ان صحابہ کا اس طرح کا مشورہ نہ دینا، یہ بات بھی اس امر پر قطعی شاھد ہے کہ یہ روایت جعلی ہے۔ پھر یہ تحریر کیا گیا کہ ان دونوں صحابہ کو اس امر کے متعلق فرمایا کہ کہ عبداللہ بن سلام سے رشتہ کی بات طے کرکے پھر جاکر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دختر نیک اختر سے اس کا تذکرہ کریں جب ان حضرات نے خدمت مفوضہ کی سرانجام دہی پر آمادگی کا اظہار کرلیا تو انکو اجازت دیدی گئی کہ آپ اپنا کام سرانجام دیں۔ جب یہ

حضرات دربارِ خلافت سے تشریف لے گئے تو پھر حضرت معاویہؓ نے کیا کام کیا؟ اس کے متعلق تحریر ہے کہ :

"چنانچہ دونوں صحابی رات کا کچھ حصہ امیر معاویہؓ کی صحبت میں گزار کر اپنے گھروں کو چلے گئے ان کے چلے جانے کے بعد امیر معاویہؓ اپنی دختر کے کمرے میں پہنچے اور فرمانے لگے۔ ابوھریرہؓ اور ابوالدرداء تیرے پاس عبداللہ بن سلام سے بیاہ کا پیغام لانے والے ہیں۔ ان سے کشادہ پیشانی ملنا اور ان کے سوال کے جواب میں کہنا۔ عبداللہ نہایت شریف اور ہمارے رشتہ دار ہیں۔ میں انہیں اپنے لئے پسند کرتی ہوں۔ صرف ایک عُذر ہے اور وہ یہ کہ ارینب بنت اسحٰق ان کی زوجیت میں ہے اس لئے میں ڈرتی ہوں کہ مجھ میں رشک پیدا نہ ہو جائے۔ جیساکہ فطرۃً عورتوں میں ہوا کرتا ہے۔ پھر مجھ سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جائے جو خدا اور رسول کو ناپسند ہو۔ لہذا اگر وہ اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرلیں تو میں بیاہ کر لینے کے لئے تیار ہوں۔"

کیا کوئی شریف انسان اپنی کنواری لڑکی کو اس طرح کی حیلہ گری کی تعلیم دے سکتا ہے۔ چہ جائیکہ اس طرح کے مذموم فعل کا صدور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی سے ہوا ہو۔ اس طرح کی یہ مذموم حرکت اس شخص کی طرف منسوب کی گئی ہے جس کے حسنِ اخلاق اور توافق ظاہر و باطن کے متعلق سیرت نگاروں اور اُن کے رفقاء کا یہ فیصلہ ہے۔ اُن کے ایک ساتھی حضرت قبیصہ بن جابر اسدی روایت کرتے ہیں کہ :

صحبت معاویہ فما رأیت رجلاً احب رفیقا ولا اشبہ سریرۃ بعلانیۃ منہ	میں معاویہ کے ساتھ رہا ہوں اُن سے زیادہ محبوب ساتھی کسی کو نہ پایا۔ اور نہ ہی ظاہر و باطن میں ایسی یکسانیت کسی میں دیکھی۔
[طبری ص۱۸۸ ج ۶]	

اس روایت اور اس کے علاوہ دیگر صحیح اور موثق روایات سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جو سیرت ہمارے سامنے روشن ہے اُس سے " بالبداھۃ " یہ اَمر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اخلاق کی اس بلندی پر فائز تھے کہ آپ سے اس طرح کی مذموم حرکات کا صدور " ممتنع الوقوع " ہے۔ اس لئے ہم کامل یقین اور معتمد اذعان سے کہتے ہیں کہ آپ کی طرف اس مذموم حرکت کا اِنتساب کرکے جس میں آپ کے ظاہر و باطن کے درمیان صفت تضاد کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے یقیناً جعلی، وضعی اور سبائی رواۃ کی دسیسہ کاری ہے اور پھر تحریر کیا گیا ہے کہ جب یہ دونوں صحابی عبداللہ بن سلام سے رشتہ کی بات طے کرکے حضرت معاویہؓ کی دربار میں حاضر ہوئے تو امیر معاویہؓ نے کہا :

" ہم خوش ہیں کہ عبداللہ اس نسبت کو منظور کرتے ہیں مگر کہ جیساکہ ہم نے کہا تھا کہ ہم نے لڑکی کو میں

اِس مسئلہ میں اختیار دے رکھا ہے۔ اب آپ ذرا اُس کے پاس جائیں اور اُس کی منظوری بھی حاصل کرلیں چنانچہ دونوں بزرگ دخترِ امیر سے جا ملے اور کل باتیں سنا کر جواب کے طالب ہوئے۔ لڑکی نے وھی بندھا ٹکا جواب دیا کہ عبد اللہ سے اس شرط پر شادی منظور کروں گی کہ وہ پہلے ارینب کو طلاق دے دیں"۔

اس روایۃ میں درایۃً یہ سقم ہے کہ جب حضرت امیر معاویہؓ کی مفروضہ دختر نے نکاح کی منظوری کو عبد اللہ بن سلام کی پہلی بیوی "ارینب" کی طلاق پر معلق کیا تو حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوھریرہؓ پر شرعی فریضہ عائد ہوتا تھا کہ یہ دونوں حضرات دخترِ امیر کو نصیحت کرتے کہ شرعی اعتبار سے تمہارا یہ مطالبہ غلط ہے کیونکہ خود حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کے توسط سے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان منقول ہے:

عن ابی ھریرۃ۔ قال۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسئل المرأۃ طلاق اختھا لتستفرغ صحفتھا ولتنکح فان لھا ما قدر لھا۔

[مشکوٰۃ المصابیح ص۲۷۱ ج ۲
باب اعلان النکاح والخطبۃ والشرط۔ فصل اوّل]

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی عورت اپنی اسلامی بہن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے۔ تاکہ مرد اُس کے لئے اکیلا ہو۔ بلکہ وہ نکاح کرے اُس کے لئے حقوقِ زوجیۃ میں سے جو حصہ مقدر ہو چکا ہے وہ اس کو ضرور حاصل ہوگا۔

- - - - - - - - - - - -

ان دونوں جلیل القدر صحابیوں کا اس غیر شرعی شرط پر سکوت اختیار کر لینا اس روایۃ کے وضعی ہونے پر ایک روشن دلیل ہے۔ حضرت معاویہؓ کی اس مفروضہ دختر کے مطالبہ پر عبد اللہ بن سلام نے ارینب کو طلاق دیدی۔ پھر کیا ہوا؟ اس پر افسانہ نویس کہتا ہے:

" ارینب کی طلاق کی عدۃ کے ختم ہونے سے بیشتر ہی امیر معاویہؓ اپنے ارادہ کی تکمیل میں کوشاں ہوگئے جس کا خاکہ اُنہوں نے پہلے ہی مرتب کر لیا تھا۔ اسی کی انجام دہی کے لئے اُنہوں نے فقط ابوالدرداءؓ کو بُلایا اور ابوھریرہؓ کو اس لئے نہ بُلایا کہ سادہ لوح اور ہاں میں ہاں ملانے والے ھیں۔ ابوالدرداء جب باریاب ہوئے تو ان سے کہا کہ ھم نے استخارہ کرنے کے بعد تمہیں اس غرض سے بلایا ہے کہ تم کو عراق بھیجیں۔ وھاں پہنچ کر ہماری جانب سے ہمارے

ولی عہد یزید کی منگنی کا پیغام ارینب بنت اسحٰق کو پہنچاؤ اور جہاں تک ممکن ہو۔ اپنی عقلمندی و
فراست سے اس کو یزید سے بیاہ کر لینے پر آمادہ کر لو۔"

چنانچہ بقول افسانہ نویس حضرۃ ابوالدرداء امیر المومنین کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کوفہ روانہ ہو گئے۔ جب آپ کوفہ پہنچے تو انہوں نے حضرۃ حسین رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ اُن کے دریافت کرنے پر آپ نے اپنے سفر کی غرض و غائیت بیان کی۔ اس پر حضرۃ حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

"آپ میرا بھی پیغام لیتے جائیں ہم دونوں میں سے جس کو چاہے وہ پسند کرلے جو مہر آپ یزید کی جانب سے پیش کرنے والے ہیں اسی قدر میری جانب سے بھی پیش کر دیجئے گا۔"

جب حضرۃ ابوالدرداؓ "ارینب" کے پاس پہنچے یزید اور حضرت حسینؓ کا پیغام اُس کو پہنچایا۔ اس پر ارینب نے آپ سے کہا کہ آپ ہی میرے بزرگ ہیں۔ اِن دونوں میں سے جس کے متعلق آپ مجھے مشورہ دیں گے میں اس سے نکاح کر دوں گی حضرۃ ابوالدرداؓ نے اس کو حضرۃ حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق مشورہ دیا چنانچہ بخوشی اُس نے اس پیغام کو قبول کر لیا اور حضرۃ حسینؓ سے اس کا عقد نکاح ہو گیا۔ حضرۃ ابوالدرداء جب دمشق واپس ہوئے اُن سے پہلے حضرت حسینؓ کے نکاح کی خبر دمشق پہنچ چکی تھی اُن کے دمشق پہنچنے پر حضرۃ معاویہ اُن سے ناراض ہو گئے۔ اس پر افسانہ نویس تحریر کرتا ہے:

"اس واقعہ کے بعد شاہانہ التفات واکرام دونوں صحابیوں کے حق میں کم ہو گئے اور پھر مذکورہ دونوں بزرگ دمشق کو خیر باد کہہ کر مدینہ چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔"

اب سوال یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ واقعہ صحیح ہے اور حضرۃ ابوالدرداؓ نے حضرت معاویہؓ کے ولی عہد کی مراد برآری کے خلاف ہی ارینب کو حضرت حسینؓ سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا اور اسی مشورہ کے تحت ارینب حضرت حسینؓ کے حبالۂ نکاح میں آگئی۔ تو اس میں حضرۃ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا کیا قصور ہے۔ اُن سے شاہی التفات واکرام کیوں کم ہو گیا اور انہوں نے کیوں دمشق سے ترک سکونت اختیار کر لی اور پھر یہ کہ اگر حضرت ابوالدرداؓ، بقول افسانہ نویس "دمشق کو خیر باد کہہ کر مدینہ چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔"

تو اس روایت کے پیش نظر ان کی وفات مدینہ منورہ میں ہونی چاہیئے حالانکہ حضرت ابوالدرداؓ کے متعلق مؤرخین کا فیصلہ ہے کہ "مات بدمشق" یعنی حضرت ابوالدرداء دمشق میں فوت ہوئے۔ یہ واقعہ بھی اس افسانہ کے وضعی ہونے پر ایک برہان بیّن ہے۔ اسی طرح عبداللہ بن سلام بھی شاہی عتاب کا شکار ہو گیا معلوم نہیں اس کا کیا قصور تھا جبکہ وہ پوری

طرح حضرت معاویہؓ کے دامِ مخادعت کا شکار ہو چکا تھا۔ آخر وہ بھی مفلوک الحالی کی کیفیت میں کوفہ پہنچا۔ اس نے دورِ امارۃ میں دولت کی دو تھیلیاں ارینب کے حوالہ کی تھیں اب وہ اس اُمید پر آیا کہ کسی ذریعے سے وہ دو تھیلیاں ارینب سے حاصل کی جائیں۔ اتفاقاً کوفہ کی مسجد میں حضرۃ حسینؓ سے اُسکی ملاقات ہوگئی۔ اثنائے گفتگو میں اس نے حضرۃ حسینؓ سے اپنی اُن دو تھیلیوں کا ذکر کیا۔ اُنہوں نے جاکر ارینب سے دریافت کیا۔ اُس نے اعتراف کیا کہ واقعی اُس کی امانت میرے پاس موجود ہے اور ساتھ ہی اُس نے وہ تھیلیاں نکال کر حضرت حسینؓ سے کہا یہ لیجئے اور انہیں دے دیجئے۔ لیکن حضرۃ حسینؓ نے کہا کہ میں عبداللہ کو تمہارے پاس لے آتا ہوں تاکہ تم دست بدست اُن کی امانت اُن کے حوالے کر کے بری الذمہ ہو جاؤ۔ چنانچہ حضرۃ حسینؓ عبداللہ کو ارینب کے پاس لے آئے اور دونوں کو کمرے میں اکیلا چھوڑ کر خود باہر تشریف لے گئے۔ اِن دونوں کی ملاقات کا منظر افسانہ نویس کی تحریر میں ملاحظہ ہو:

دونوں دھاڑیں مار مار کر ایک دوسرے کو حسرۃ بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ سیدنا حسینؓ کمرے سے باہر کھڑے ہوئے اُن کی گریہ زاری اور شکوہ شکایت سن رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد کمرے میں واپس آئے ان کو دیکھتے ہی رونے والوں نے آنسو پونچھ ڈالے۔ بے شبہ وہ منظر عجیب جگر سوز تھا۔ سیدنا حسینؓ بھی بے حد متاثر ہوئے تم دونوں رو رہے ہو؟ سنو عبداللہ! سیدنا حسینؓ نے فرمایا:

"میں اللہ کو گواہ کر کے تمہاری شہادۃ میں ارینب کو تین طلاقیں دیتا ہوں۔ اس وقت سے وہ میرے لئے حرام ہے اور تمہارے لئے حلال ہے"

پھر قبلہ رخ ہو کر دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے فرمایا "تو بخوبی جانتا ہے کہ میں نے ارینب سے اُس کے جمال و مال کی خواہش میں نکاح نہیں کیا تھا میرا مقصد صرف یہی تھا کہ وہ دوبارہ اپنے مظلوم شوہر کے لئے حلال ہو جائے اور یزید بن معاویہ کو اس معرکہ میں شکست ہو"۔

حضرت حسینؓ کی طرف منسوب اس فرضی اور اختراعی گفتگو سے یہ امر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ نکاح حلالہ اور حیلہ سازی کی نیت سے کیا تھا اور شریعت میں اس طرح کے حیلہ ساز اور محلل کو موجب لعنۃ قرار دیا گیا ہے۔ کیا حضرۃ حسینؓ کے متعلق یہ امر متصور ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ایک ایسے فعل کا ارتکاب کیا ہو جو کہ موجب لعنت ہو۔ حدیث کے اُمہات الکتب یعنی سنن ابوداؤد[1]۔ سنن ترمذی[2]۔ ابن ماجہ[3]۔ بیہقی[4]۔ مصنف ابن ابی شیبہ[5] سنن نسائی[6]۔ مستدرک حاکم[7] اور مسند احمد[8] میں۔ حضرۃ علی[1]۔ حضرۃ ابوھریرہ[2]،

۳ — ۴ — ۵ — ۶

حضرۃ عقبہ ۔ حضرۃ عبد اللہ بن عباس ۔ حضرۃ جابر بن عبد اللہ ۔ حضرۃ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان منقول ہے :

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المحلل و المحلل لہ ۔	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کہ جو بنیتِ حلالہ نکاح کرے اور وہ شخص جس کے لئے اس مذموم نکاح کا ارتکاب کیا جائے مستحقِ لعنۃ گردانا ۔

اسی حدیث کے حکم میں وہ نکاح بھی داخل ہے جو عارضی طور پر کسی حیلہ گری کی نیت سے کیا جائے ۔ حضرت حسین رضہ کے نکاح کی جو صورت بھی اختیار کی جائے وہ اس مذموم فعل کے حکم میں داخل ہے ۔ اب وہ افسانہ جس میں ریحانۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس طرح کے مذموم فعل کے ارتکاب کی نسبت کی گئی ہو وہ بدیہی البطلان ہے ۔

پھر اس کے بعد ہے کہ :

عبد اللہ اور ارینب نے سرِ شام سفر کی تیاریاں کرلیں ۔ دوسرے دن علی الصباح سیدنا حسین رضہ سے وداع ہوکر وہ خوشی خوشی اپنی جائے سکونت کو روانہ ہوگئے ۔"

یہ افسانہ اسی جملہ پر اختتام پذیر ہوا ہے ۔ اب اس واقعہ میں شرعی احکام کی جس طرح کی بے حرمتی ۔۔۔ اور پائمالی کی گئی ہے ۔ اس کے پیشِ نظر یہ ناممکن ہے کہ حضرۃ حسین رضی اللہ عنہ نے "یہ ایثار" کیا ہو ۔ حضرۃ حسین رضی اللہ عنہ کی حمیت اور غیرت کے اعتبار سے یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی زوجہ محترمہ کو ایک اجنبی مرد کے ساتھ خلوت کدہ میں بے پردگی کی حالت میں بیٹھنے کی اجازت دیدی ہو ۔ یہ عمل کسی متعہ باز رافضی سے تو ممکن ہے لیکن حضرۃ حسین رضہ جیسے پاکباز باغیرت سے اس کا صدور ناممکن ہے ۔ پھر یہ کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ارینب کو طلاق دیدی تو بنصِ قرآن مجید ارینب پر عدۃِ طلاق لازم تھی ۔ اور اسی عدۃِ طلاق میں اس کے لئے حضرۃ حسین رضی اللہ عنہ کے دولتکدہ سے باہر نکلنا شرعاً حرام تھا ۔ اور اسی طرح حضرۃ حسین رضہ پر بھی لازم تھا کہ وہ ارینب کو اپنے گھر سے باہر نہ جانے دیتے ۔ کیونکہ مُدتِ عدۃ میں عورت کا خانۂ شوہر میں قیام شرعی حق کی بنا پر ہے نا کہ صرف حق العبد ہے تاکہ زوج اور اس کی مطلقہ کی رضامندی سے ساقط ہوجائے ۔ کیوں کہ قرآن مجید میں ہے " لَا تُخْرِجُوْهُنَّ وَ لَا یَخْرُجْنَ ۔ " یعنی انہیں اُن کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں اور پھر شرعی قانون یہ ہے کہ جس طرح کسی شخص کی منکوحہ زوجہ سے نکاح حرام ہے اسی طرح معتدہ طلاق سے بھی حالتِ عدۃ میں نکاح کرنا حرام ہے بلکہ صریح الفاظ میں خطبہ کرنا بھی ممنوع ہے کیونکہ جب تک عورۃ عدۃِ طلاق میں

ہے اُس وقت تک شوہر کے نکاح کا اثر موجود ہے ۔ اور اس افسانہ میں ہے کہ حضرۃ حسین رضی اللہ عنہ نے اُسی وقت سے ہی اریب کو ابنِ سلام کے حوالہ کر دیا اور صبح سویرے وہ اریب کو لیکر چلا گیا ۔ کیا حضرۃ حسین رضی اللہ عنہ سے بھی احکامِ شریعت کے ساتھ اس طرح کے " تَلَعُّب " کا امکان ہو سکتا ہے ۔ مزید براں اس افسانہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف جس طرح کے " اِیْقَاعِ طلاق " کی نسبت کی گئی ہے ، شرعی طور پر طلاق کے ایقاع کا یہ طریقہ بھی ممنوع ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس افسانے کا اختراع خالص الحاد پسند ذہن کا نتیجہ ہے ۔ کیونکہ اُس نے " یزید " کے بدنام کردار میں جس طرح حضرت معاویہ رضی کے کردار کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے اسی طرح اس افتراء رقم قلم کی زہر آلود نوک سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جسم کو زخمی کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے ۔ بلکہ حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف " مُخَادِعَۃ " کے جس کردار کو منسوب کیا گیا ہے اس سے کئی درجہ زیادہ حضرۃ حسین رضی اللہ عنہ کی طرف شرعی احکام سے " تلعّب " کے جرم کو منسوب کیا گیا ہے لہٰذا یہ ایسے واضح دلائل ہیں جن کی روشنی میں قطعی طور پر یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ یہ افسانہ محض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف جذبۂ منافرۃ پھیلانے کے لئے وضع کیا گیا ہے ۔

نرخنامہ اِشتہارات

ٹائیٹل کا آخری صفحہ سالم	=/۱۰۰۰ روپے
ٹائیٹل دوسرا اور تیسرا صفحہ	=/۸۰۰ روپے
عام صفحہ (سالم)	=/۳۰۰ روپے
〃 〃 (۱/۲)	=/۱۵۰ روپے
〃 〃 (۱/۴)	=/۷۵ روپے

مُستقل مُعاونین کے لئے
خصوصی رعایت ہوگی

نقیب ختم نبوّت

عبدالستار جھنگوی

امیرالمؤمنین خلیفۂ بلافصل رسول

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

انسانی تاریخ میں جن شخصیتوں کی صداقت ولیاقت کے آفتاب نے بزم ہستی میں اُجالا کیا بُغض وتعصّب اور جہالت و تنگ نظری کی ظلمتوں کو کافور کیا اور معاشرہ کو علم وعمل سے منوّر کیا۔ امیرالمؤمنین خلیفۂ بلافصل رسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اُنہیں شخصیات میں سے ایک ھیں۔ آپ کا نام نامی عبداللہ، کنیت ابوبکر، لقب صدیق و عتیق ہے۔ صدیق عتیق سے زیادہ معروف ہے بلکہ آپ کے صدیق ہونے پر پُوری اُمت کا اجماع ہے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ لقب آپ کو جبرائیل امین نے دیا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر معراج سے واپس آرہے تھے تو جبرائیل علیہ السلام سے کہا میری قوم تو میری تکذیب کرتی ہے۔ جبرائیل نے کہا دنیا میں ابوبکر رضؓ موجود ہیں وہ صدیق ھیں آپ کی تصدیق کریں گے۔ بکر کا لغوی معنیٰ آگے بڑھنا، سبقت کرنا ـــــ آپ نے اسلام لانے میں سبقت کی اس لئے آپ کو ابوبکر کہتے ھیں۔ علاّمہ زمخشری لکھتے ہیں۔ ان کو پاکیزہ خصلتوں میں ابتکار (پیش پیش ہونے) کی وجہ سے ابوبکر کہا جاتا تھا۔ زمانہ جاھلیت ہی میں وہ اس نام سے مشہور ہو چکے تھے۔

قبولِ اسلام: زرقانی نے شرح مواہب میں لکھا ہے کہ آپؓ حضرت خدیجہ رضؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں حکیم کی لونڈی اُن کے پاس آئی اور اُس نے کہا کہ آپ کی پھوپھی آج کہہ رہی تھیں کہ ان کے شوہر حضرت موسیٰ کی طرح نبی ھیں۔ جنہیں اللہ نے بھیجا ہے۔ یہ سُنتے ہی حضرت ابوبکر سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یہ معلوم کرتے ہی کہ لونڈی کا بیان صحیح تھا، بلاتامل ایمان لے آئے۔ رسول اللہ نے فرمایا میں نے جس کے سامنے بھی اسلام پیش کیا اُس نے کچھ نہ کچھ تردّد کیا۔ سوچا مگر ابوبکر سے جونہی میں نے ذکر کیا انہوں نے کہا اگر آپؐ خیرالانام ھیں تو میں آپکا غلام ہوں۔

حضرت ابوبکر رضؓ فطرتاً اخلاقِ حمیدہ کے مالک تھے ایام جاھلیت میں عفت وپاکدامنی وراست بازی سے

متصف تھے یہی وجہ ہے کہ اُس زمانہ میں دیت کی تمام رقم انہی کے پاس جمع ہوتی تھی، شراب نوشی، فسق و فجور کا اس وقت عام رواج تھا لیکن انکا دامن ان دھبوں سے کبھی داغدار نہیں ہوا۔ فیاضی، قرابت داری کا خیال، مہمان نوازی اور اس قسم کے تمام محاسن آپؓ میں پہلے سے موجود تھے۔ جب ایمان لائے تو رسول اللہ کی صحبت نے ان اوصاف کو اور روشن کر دیا۔ آپ نے عالمی طاقتوں کو اسلام کی طاقت کے سامنے جھکا دیا۔ انہیں اس بات کا یقین کامل تھا کہ خدا تعالیٰ اپنے دین کو ہر میدان میں فتح دے گا اسی یقین کی بدولت آپ نے ایران جیسی مضبوط سلطنت میں حملہ کرنے میں کسی قسم کا تردد نہ کیا۔

اُمت میں سب سے افضل: آپ کی افضلیت پر اُمت کا اجماع ہے۔ آپ نے اللہ کی راہ میں دین کے لئے بے مثال ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا۔ پھر ایسے مشکل حالات میں نبی کریم علیہ السلام کا ساتھ دیا، جب آپ تنہا تھے یہاں تک کہ ہجرت میں بھی ساتھ دیا۔ اس طرح رسول اللہ سے اُن کی سب سے زیادہ رفاقت اور محبت اور دین کے لئے مخلصانہ محنت نے انہیں شرفِ افضلیت سے مشرف کیا۔

سادہ طرزِ زندگی: موٹا لباس زیب تن فرماتے تھے دستر خوان پُر تکلف نہ تھا۔ خلافت پر متمکن ہوئے تو یہ سادگی اور بڑھ گئی۔ وفات کے وقت آپؓ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا، جب سے خلافت کا بوجھ مجھ پر آیا ہے میں نے معمولی سی غذا اور موٹے کپڑے پر قناعت کی ہے۔ مسلمانوں کے مال میں سے میرے پاس ایک حبشی غلام، ایک اونٹ اور ایک پرانی چادر کے سوا کچھ نہیں ہے۔ میری موت کے بعد یہ تمام چیزیں فاروق اعظمؓ کو واپس دے کر ان سے بری ہو جانا۔ ابن سعد نے وظیفہ کی تفصیل یہ بیان کی ہے کہ ان کو دو چادریں ملتی تھیں جب وہ پُرانی ہو جاتی تھیں تو انہیں واپس کر کے دوسری لیتے تھے۔

خودداری: اونٹنی پر سوار ہوتے تھے ہاتھ سے مہار گر جاتی تو اونٹنی کو بٹھا کر خود مہار اُٹھاتے لوگ کہتے: آپ نے ہمیں کیوں نہیں کہا ہم اُٹھا دیتے۔ فرماتے، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی سے کچھ نہ مانگ، ایک بار آپؐ نے فرمایا: جو شخص یہ ضمانت دے کہ کسی سے سوال نہ کرے گا میں اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

ایک بار حضرت حکیم بن حزامؓ نے آپ سے سوال کیا آپؐ نے ان کا سوال پورا کیا پھر مانگا پھر دیا، انہوں نے پھر مانگا آپؐ نے پھر دیا۔ لیکن نصیحت فرمائی، اے حکیم! مال نہایت میٹھی چیز ہے جو شخص اسکو فیاض دلی کے

ساتھ لیتا ہے اس کے مال میں برکت ہوتی ہے اور جو شخص اُس کو حرص و طمع کے ساتھ حاصل کرتا ہے اس کو برکت نصیب نہیں ہوتی اُس کی مثال اُس آدمی کی طرح ہے جو کھاتا تو ہے مگر اس کا پیٹ نہیں بھرتا ۔ اُوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے ۔

خشیتِ الٰہی : تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کا اِس قدر غلبہ تھا کہ ایک دفعہ ایک چڑیا کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو اُس سے مخاطب ہو کر کہنے لگے تو کتنی خوش نصیب ہے ۔ اے کاش میں بھی تیرے جیسا ہوتا ۔ تو درخت پر بیٹھتی ہے پھل کھاتی ہے اور پھر اُڑ جاتی ہے ۔ تجھ سے حساب کتاب نہ ہوگا ۔ اللہ سے خوف کا یہ عالم تھا کہ اگر کبھی کوئی معمولی بھول بھی ہو جاتی تو استغفار کرتے اور جب تک تلافی نہ کر لیتے تھے چین نہ آتا ۔ اپنے تو اپنے غیر مسلم مؤرخین نے اُن کی عظمت کو سلام کیا ہے چنانچہ سائمن اوکو بلے لکھتا ہے حضرت ابو بکر رضؓ لمبے قد کے دُبلے پتلے گندمی رنگ کے اور ہلکی داڑھی والے بے باک انسان تھے آپ نے بیت المال میں کبھی روپیہ جمع نہ کیا ہر جمعہ کی رات سب سے پہلے مجاہدین میں تقسیم کرتے اور اس کے بعد محتاجوں کی امداد کرتے ۔ آپ کا نیک چلن ، میانہ روی اور احکامِ دین میں پابندی اور کسی حالت میں بھی ان کو فراموش نہ کرنا ، ایک زریں مثال ہے ۔ آپ نے حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا کہ اس دن سے حساب کریں جس دن سے وہ خلیفہ مقرر ہوئے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ بیت المال سے انہوں نے کیا لیا ۔ مشہور مؤرخ ایچ جی ویلز نے حضرت ابو بکر رضؓ کی عظمت کا اعتراف اپنے مخصوص پُرتعصب انداز میں کیا ہے " تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے روحِ رواں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم —— کے جاں نثار اور حقیقی دوست ابو بکر صدیق رضؓ تھے ۔ اگر حضرت محمد کو نئے مذہب اسلام کا دِل اور دِماغ کہا جائے تو حضرت ابو بکر رضؓ اسلام کا ایمان و عزم تھے ۔ دونوں کی رفاقت اس طرح گزری کہ حضرت محمد نے جو کچھ کہا حضرت ابو بکر رضؓ نے سرِ تسلیم خم کر کے اسے عملی جامہ پہنایا آنحضرت کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر رضؓ نے تبلیغ و اشاعتِ اسلام میں اس عزم و ثبات کا مظاہرہ کیا ۔ جس کے سامنے پہاڑ بھی ٹل جاتے ہیں ۔ آپ کی منصوبہ بندی سادہ مگر مؤثر ہوتی تھی ۔ آنحضرت نے ۶۲۰ء میں شاہانِ عالم کو جو مراسلے تحریر فرمائے ، ابو بکر صدیق نے اپنی دور اندیشی و دانش مندی اور صرف تین چار ہزار فوج سے اپنے آقا کی آرزوؤں کو امر واقعہ بنا دیا ۔ اگر مسلمانوں میں حضرت ابو بکر جیسے ایک درجن اور مسلمان ہوتے جو عمر میں ابو بکر رضؓ سے کم ہوتے مگر ان جیسی اہلیتوں کے مالک ہوتے تو فرامین رسالت تمام و کمال پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتے ۔"

(HISTORY OF THE WORLD)

آپ کی صاحبزادی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں : " کہ جب میرے والد کو اطلاع ملی کہ وہ ہجرت کے وقت رسول اللہ کے ہمرکاب ہوں گے تو خوشی سے آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے " اشاعتِ اسلام کے لئے دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی چیز ان کے نزدیک کوئی وقعت نہ رکھتی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت :

ریاض النضرۃ فی مناقب عشرہ مبشرہ میں اُسید بن صفوان رضؓ سے روایت ہے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا وہ کہتے ہیں۔ جب حضرت ابوبکر کا انتقال ہوا تو آپ پر ایک چادر ڈال دی گئی پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا "اے ابوبکر اللہ آپ پر رحمتیں نازل فرمائیں آپ رسول اللہ کے دوست تھے اور سیرت و عادات اور بزرگی میں رسول اللہ کے سب سے زیادہ مشابہ تھے ۔" اگر آپ نبی اور صدیق کی عاداتؐ اور اخلاق پر نظر ڈالیں تو آپ کو ایک عجیب مطابقت نظر آئے گی۔ جب نبی علیہ السلام پر پہلی وحی نازل ہوئی تو گھبرا کر گھر آئے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضؓ نے آپ کو تسلّی دی۔ بلاشبہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ کمزوروں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ فقیروں کی مدد کرتے ہیں۔ آپ مہمان نواز اور حق کی حمایت کرنے والے ہیں اللہ آپ کو کبھی ضائع نہیں کریں گے۔ اب ذرا صدیق اکبر رضؓ کے بارے میں ابنُ الدّغنہ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں آپ محتاج اور نادار لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور صلہ رحمی فرماتے ہیں مہمان نوازی اور حق کی حمایت کرتے ہیں۔ عور طلب امر یہ ہے کہ الفاظ کہنے والے افراد مختلف ہیں۔ الفاظ ادا کرنے کا وقت اور زمانہ مختلف ہے جن ہستیوں کے بارے میں یہ بات کہی جا رہی ہے وہ ہستیاں بھی مختلف ہیں لیکن نبی اور صدیق میں مطابقت دیکھئے۔ دونوں کو قرآن اِتقیٰ کہتا ہے۔ فضلِ الٰہی کا مستحق قرار دیتا ہے۔ لاتحزن کی خوشخبری دیتا ہے دونوں کی وفات ایک دِن ہوئی۔ دونوں کی عمر تریسٹھ ۶۳ سال۔ دونوں کی تدفین رات کو ہوئی۔ اور دونوں کی قبر ریاض الجنۃ کہلائی۔ دونوں نے کوئی ترکہ نہیں چھوڑا۔ دونوں کی کوئی میراث تقسیم نہیں ہوئی۔

سیدنا ابوبکر صدیق کو دنیا اور آخرت دونوں میں حضور علیہ السلام کی رفاقت نصیب ہوئی۔ حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ میں نے ارادہ کیا کہ اطراف ممالک میں چند اشخاص بھیج دوں جو لوگوں کو دین کے فرائض اور سنتیں سکھائیں جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے اپنے حواری بھیجے تھے۔ کسی نے کہا آپ حضرت ابوبکر اور عمر کو اس

کام کے لئے کیوں نہیں بھیجتے۔ آپ نے فرمایا ان سے تو مجھے ہر وقت کام رہتا ہے اور بے شک وہ دونوں دین اسلام کے لئے مثل کان اور آنکھ کے ہیں پھر وہ کس طرح مجھ سے جُدا ہو سکتے ہیں (ازالۃ الخفاء)

حضرت انس رضؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا: ابوبکر و عمر کی محبت ایمان ہے۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ نے بیشک اہل جنّت عالی درجہ لوگوں کو ایسے ہی دیکھیں گے جیسا کہ تم افق آسمان پر ستاروں کو چمکتے ہوئے دیکھتے ہو اور بے شک ابوبکر و عمر ان میں سے ہیں (مشکوٰۃ) حضرت علی رضؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خُدا نے فرمایا میرے بعد میری اُمت میں سے سب سے بہتر ابوبکر و عمر ہیں (صواعق محرقہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ سے روایت ہے نبی کریم نے فرمایا میرے بعد خلافت پر قائم ہونے والا جنّت میں جائے گا اس کے بعد جو خلیفہ بنے گا وہ بھی جنّت میں جائے گا اسی طرح تیسرا اور چوتھا بھی جنّتی ہے۔ (ابن عساکر)

وفات: رسول اللہ کے بعد دنیا کا سب سے بڑا انسان دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کے فراق کا صدمہ آپ سے برداشت نہیں ہوا۔ ہر روز لاغر اور نحیف ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ سفر آخرت اختیار کرلیا۔ وفات سے قبل حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا کہ نبی پاک کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا۔ عرض کیا تین کپڑوں میں ——— ارشاد فرمایا، میرے کفن میں بھی تین کپڑے ہوں یہ دو چادریں جو میرے بدن پر ہیں دھولی جائیں اور ایک کپڑا بنا لیا جائے۔ حضرت صدیقہ رضؓ نے کہا ابا جان ہم اس قدر غریب نہیں ہیں کہ نیا کفن بھی نہ خرید سکیں۔ فرمایا: بیٹی نئے کپڑے کی مُردے کی نسبت زندوں کو زیادہ ضرورت ہے۔ موت کی گھڑی لمحہ بہ لمحہ قریب آرہی تھی۔ حضرت عائشہ رضؓ اس ڈوبتے ہوئے چاند کے سرہانے بیٹھی تھیں اور آنسو بہا رہی تھیں حضرت عائشہ رضؓ نے یہ شعر پڑھا: "بہت سی نُورانی صُورتیں ہیں جن سے بادل بھی پانی مانگتے تھے وہ یتیموں کے فریادرس تھے اور بیواؤں کے پشت پناہ تھے" یہ سُن کر آپ نے آنکھیں کھول دیں ——— اور فرمایا:

"میری بیٹی! یہ رسول اللہ کی شان تھی۔ حضرت عائشہ نے دُوسرا شعر پڑھا" قسم ہے تیری عمر کی جب موت کی ہچکی لگ جاتی ہے تو پھر زر و مال کام نہیں دیتا"۔ فرمایا: یہ نہیں اسطرح کہو: "موت کی بے ہوشی کا صحیح وقت آگیا یہ وہ ساعت ہے جس سے تم بھاگتے تھے"۔

پاک زندگی کا خاتمہ اس کلام پر ہوا۔ ربّ توفّنی مُسلماً وّ الحقنی بالصّالحین (الآیۃ)

پروفیسر عابد صدیق

اُمّتِ مسلمہ کیلئے حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات

امام ربانی مجدد الف ثانی سیدنا ابوالبرکات بدرالدین شیخ احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش سے قبل آپ کے والدِ گرامی نے ایک رات خواب میں مختلف مشاہدات کرتے ہوئے بلند آواز میں یہ آیت سنی کہ:

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

حضرت شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ نے تعبیر بتائی کہ تمہارے ہاں ایک لڑکا ہوگا جو الحاد و بدعت کی ظلمت کو دور کرے گا۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ کو شب جمعہ پیدا ہوئے۔ نام مبارک احمد رکھا گیا ۲۸ واسطوں سے آپ کا سلسلۂ نسب امیرالمومنین سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے چنانچہ کبھی کبھی غیرت و حمیت کے موقع پر فاروقی ہونیکی فضیلت کا تذکرہ فرماتے تھے۔

سب سے پہلے قرآن حفظ کیا۔ ابتدائی کتابیں اپنے والدِ بزرگوار شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں جو نہ صرف بہت بڑے عالم تھے بلکہ سلسلۂ چشتیہ میں بہت بڑے صاحب نسبت صوفی عارف تھے۔ عوارف المعارف اور فصوص الحکم بھی والد ماجد سے پڑھیں شیخ یعقوب کشمیری سے کتب حدیث پڑھیں۔ اور حضرت مولانا قاضی بہلول بدخشانی سے امام واحدی کی تفسیر بسیط، نیز تفسیر وسیط تفسیر بیضاوی۔ منہاج الوصول۔ الغایۃ القصویٰ صحیح بخاری۔ الادب المفرد، ثلاثیات، مشکوٰۃ شریف، شمائل ترمذی، وغیرہ پڑھیں۔ اور معقولات کی کتابیں مولانا کمال کشمیری سے پڑھیں۔

ابتدا میں طریقہ چشتیہ میں والد بزرگوار سے بیعت کی۔ جس کی تکمیل کے والد بزرگوار ہی سے طریقہ قادریہ میں سلوک شروع کیا۔ لیکن خلافت شاہ کمال کیتھلی کے نواسے حضرت شاہ سکندر صاحب سے حاصل کی۔

صرف سترہ سال کی عمر میں آپ ظاہری علوم اور باطنی کمالات کے جامع ہوگئے اور والد بزرگوار کے سامنے ہی تدریس و تلقین میں مشغول ہوگئے۔ والد صاحب کا انتقال ۱۰۰۷ھ میں ہوا۔ اسی زمانے میں آپ کے دل میں حج کی سعادت کا شوق پیدا ہوا تو اسی ارادے سے سرہند شریف سے نکلے

دھلی پہنچے۔ جہاں ملا حسن کشمیری صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اُن سے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر سنا تو مشتاقانہ انکی خدمت میں حاضر ہو گئے کوئی ڈھائی ماہ آپ نے حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں گزارے اور سلسلہ نقشبندیہ کی کامل نسبت حاصل کی —— دوبارہ دھلی آئے تو آپ کو خلافت عطا ہوئی۔ تیسری مرتبہ دھلی آئے تو حضرت خواجہ صاحب نے آگے بڑھ کر استقبال کیا اور بشارتیں سنائیں اور بہت اعزاز و اکرام سے نوازا۔

معمولات کے بارے میں مختصراً یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ نماز تہجد کے بعد فجر تک دعا و مراقبہ کا سلسلہ جاری رہتا۔ نماز فجر جماعت کے ساتھ ادا کر کے اشراق تک متوسلین کے ساتھ جا بیٹھتے اشراق کے بعد مختلف مشاغل اور متوسلین کے ھجوم میں رہتے۔ یہاں تک کہ نماز چاشت کا وقت ھو جاتا۔ جس کے بعد کچھ غذا تناول فرماتے۔ خانقاہ میں حاضر فقرا اور مہمان بھی کھانے میں شریک ہوتے یا اُن کو کھانا تقسیم کر دیا جاتا۔ کھانے کے بعد تھوڑی دیر آرام فرماتے۔ پھر زوال کے بعد سنتیں اور پھر نمازِ ظہر سے فراغت کے بعد تلقینِ طریقہ کا سلسلہ عصر تک جاری رہتا۔ جو نمازِ عصر کے بعد بھی مغرب اور عشاء تک جاری رہتا۔ عشاء کے بعد آرام فرماتے۔ رات دن کے نوافل میں ایک قرآن شریف ختم کرنا معمول ہو گیا تھا۔ اس کثرتِ ذکر و مراقبہ اور تلقین و تذکیر کے ساتھ ساتھ درس و تدریس، تصانیف اور مکتوبات کے لئے بھی وقت نکالا جاتا۔ سفر میں بھی ان معمولات کی پابندی کی کوشش فرماتے تھے۔

ان مختصر حالات کے بعد آپ کی شانِ مجددیت کی وضاحت کیلئے ضروری ہے کہ اُن حالات کا ذکر کیا جائے جو اس وقت اسلام اور اہلِ اسلام کو درپیش تھے۔ انہی حالات کے تناظر میں آپکی دینی خدمات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے۔ خداوند عالم اس اُمّت کے لئے ہر سو سال بعد ایک ایسا شخص پیدا کرتا رہے گا۔ جو دین کو تازہ کرتا رہے گا۔ لیکن آپ کو ہزار سال کا مجدّد تسلیم کیا گیا ہے۔ ایک مکتوب میں حضرت تحریر فرماتے ھیں۔

"ایک بہت بڑا کارخانہ میرے سپرد فرمایا گیا ہے۔ پیری مریدی کے واسطے مجھ کو پیدا نہیں کیا گیا۔ تکمیل و ارشاد مری پیدائش کا مقصود نہیں۔ ایک دوسرا ہی معاملہ ہے اور ایک دوسرا کارخانہ ہے جو میرے سپرد ہوا ہے۔ اس ضمن میں جو کوئی مناسبت رکھے گا۔ فیض یاب ہوگا ورنہ نہیں۔ اس کارخانۂ عظیم کے مقابلہ پر تکمیل و ارشاد ایسا ہے۔ جیسے راستے کی کوئی گری پڑی چیز۔"

مغل بادشاہ اکبر کو غرض پرست اور دین فروش علماء اور ہندو جوگیوں وغیرہ کی صحبتوں سے یہ یقین ہو گیا
کہ دینِ اسلام کو ایک ہزار سال ہو چکے ہیں وہ اب پرانا اور از کار رفتہ ہو گیا ہے۔ اور بادشاہ ہونے
کی حیثیت سے اس کا فرض ہے کہ تمام رعایا کے لئے ایک ایسا دین رائج کرے جس میں ہر مذہب و ملت
کے لوگوں کی پسند اور فائدے کو مدنظر رکھا جائے۔ تاکہ ہندوستان کے مختلف مذاہب کے لوگ اس
پر دل جمعی سے کاربند ہو سکیں۔ چنانچہ اس نے اپنے انہی مذہبی مشیروں یعنی دنیا پرست عالموں
اور اسلام دشمن جوگیوں کی تعلیمات اور عقائد کی تاویلات کا ایک نیا دین رائج کیا۔ جسے دینِ الٰہی کہا جاتا
تھا۔ اس دین میں داخل ہونیوالے بارہ بارہ اور چالیس چالیس کے گروہوں میں آکر اس کے مرید ہوتے
تھے۔ آپس میں ملاقات کے وقت بجائے السلام علیکم اور وعلیکم السلام کہنے کے ایک کہتا اللہ اکبر
اور دوسرا جواب دیتا جل جلالہٗ۔ گائے کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا گیا۔ کتے اور خنزیر کو مقدس جانور مانا
گیا۔ داڑھی منڈوانا ضروری قرار دیا گیا۔ ختنہ کو ظالمانہ فعل قرار دیکر موقوف کر دیا گیا۔ اور یہ کہا گیا کہ بالغ
ہونے پر جس کا جی چاہے ختنہ کرا لے۔ والدین اپنے بچوں کا ختنہ نہیں کرا سکتے۔ شراب نوشی کو مذہبی یکسوئی
کے حصول کا ذریعہ بنا کر نہ صرف جائز قرار دیا گیا بلکہ سرکاری سرپرستی میں شراب خانے کھلوائے گئے
جن کو عورتیں چلاتی تھیں۔ بادشاہ کا اپنا یہ حال تھا کہ سورج کے ایک ہزار ہندی ناموں کی مالا جپتا تھا
آگ، پانی، درخت اور مظاہر فطرت حتیٰ کہ گائے اور گائے کے گوبر کو پوجتا تھا۔ جسم پر قشقہ اور زنار سجاتا
تھا۔ تناسخ پر کامل یقین رکھتا تھا۔ کلمہ میں تحریف کر دی گئی اور کہا گیا کہ لوگ لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ کہیں
جوا اور سود حلال کر دیا گیا۔ حکم دیا گیا کہ جوان عورتیں کوچہ و بازار میں چہرہ کھول کر آئیں۔ شہر سے باہر ایک
آبادی شیطان پورہ کے نام سے بنائی گئی جہاں سرکار کی طرف سے مقرر کردہ داروغہ کی نگرانی میں باہمی
رضامندی سے عورتوں مردوں کو تعلق قائم کرنے کی اجازت تھی۔ میت کے بارہ میں حکم دیا کہ مُردہ کا سر
مشرق کی جانب اور پاؤں مغرب کی طرف کر کے دفن کیا جائے۔ شیر اور بھیڑیئے کا گوشت حلال کیا گیا
کہ بہادر بناتا ہے۔ گائے بھینس گھوڑے اونٹ کا ذبح کرنا حرام کر دیا گیا۔ کہ کچھ جانور مقدس ہیں
اور کچھ بزدل۔ حکم دیا گیا کہ علوم عربیہ کو چھوڑ کر سب لوگ نجوم، طب، حساب اور فلسفہ پڑھیں اور ان
کے سوا اور کوئی علم نہ پڑھا جائے نہ پڑھایا جائے۔ تحریر میں عربی حروف نکال کر اُن کی جگہ ہم آواز
ہندی حروف لکھنے کو رواج دیا گیا۔ علماء و مشائخ اور آئمہ و خطباء کی جاگیریں ضبط کر کے انہیں جلاوطن

کیا گیا ۔ قاضیوں کا تقرّر بند کر دیا ۔ مسجد میں مدرسے گرا کر مندر بنا دیئے گئے ۔ چنانچہ حضرت مجدد صاحب ایک مکتوب میں لکھتے ہیں : ۔ " تقریباً ایک قرن سے اسلام کی بے چارگی اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ اہل کفر محض اس پر راضی نہیں ہیں کہ کفر کے احکام کا اعلانیہ اسلامی بلاد میں اجراء ہو جائے ۔ بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکلیہ مٹا دیئے جائیں اور اسلام اور مسلمانوں کا کوئی اثر باقی نہ رہے ۔ بات یہاں تک پہنچائی گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسلام کے کسی شعار کا اظہار کرتا ہے تو اس کو قتل کے انجام تک پہنچا دیا جاتا ہے "

ایسے حالات میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اسلام کے احیاء کے لئے زبردست کوشش فرمائی حضرت مجدد صاحب کو جن فتنوں سے نبرد آزما ہو کر دین حق کے غلبہ و ترویج کے لئے کوشش کرنا تھی ۔ وہ چار تھے ۱۔ علمائے سوء ۔ ۲۔ دین اکبر ۔ ۳۔ روافض ۔ ۴۔ ہندو عیسائی ۔ اور حضرت مجدد صاحب نے اپنا اصلاحی پروگرام اس طرح بنایا ۔ کہ وہ لوگ جو عوام پر اثر و رسوخ رکھتے ہیں ان کی اصلاح کی جائے جس سے یہ فائدہ ہوگا کہ ان کے زیر اثر طبقہ کی اصلاح از خود ہو جائیگی ۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اصلاحی پروگرام کو تین حصّوں میں تقسیم کیا :

۱۔ غیر سرکاری سنجیدہ طبقہ کی اصلاح ۔ ۲۔ ارکانِ دولت یعنی امراء ، وزراء کی اصلاح ۔ ۳۔ بادشاہ کی اصلاح ۔ مجدد صاحب نے سترہ سال کی عمر میں یہ کام شروع کیا اور اکبر کی وفات کے بعد آپ کی عمر ۴۳ سال ہو چکی تھی ۔ اس عرصے میں آپ نے درباری امراء کو مکاتیب لکھے ۔ اور انھیں اصلاح کی طرف آمادہ کیا ۔ مثلاً خان جہاں حسین قلی خان کو لکھا " ایسا عظیم الشان بادشاہ جب کہ تمہاری باتوں کو دل سے سنتا ہے اور ان کو قبول کرتا ہے ۔ تو کتنی بڑی دولت ہے کہ صریحاً یا اشارتاً حسبِ موقع کلمہ حق جو اہلِ سنت والجماعت کے عقائد کے مطابق ہو ، گوش گزار کرتے رہو ۔ بلکہ ہمیشہ منتظر رہو اور جب بھی موقع ملے ۔ اسلام کی کوئی خوبی اور کفر و کافری کی خرابی ذہن نشین کر دو " ۔ چنانچہ ان مسلسل کوششوں سے یہ ہوا کہ بعض روایات کے مطابق اکبر نے مرنے سے قبل توبہ کی ۔ کلمہ پڑھا ۔ مفتی صدر جہاں سے یٰسین شریف پڑھنے کے لئے کہا اور سنتا رہا —— اور یوں اس کا انتقال ہوا ۔ مجدد صاحب کی کوششوں سے اور توجہات کی وجہ سے امراءُ وارکانِ دولت کی اس حد تک اصلاح ہو چکی تھی کہ جب جہانگیر بادشاہ بنا تو اس نے ۱۲ احکام جاری کئے ۔ جن میں شراب کی حرمت اور علماء و زہاد کے لئے مددِ معاش کے ذرائع

کا اعلان بھی تھا۔ وہ علماء اور درویشوں کو شکرِ دُعا کہتا تھا۔ اور اُن کا بھی لشکرِ دعا کی طرح خیال رکھتا تھا۔

خدا پر بہت زیادہ توکل رکھنے اور نماز و شریعت کی پابندی کرنے کے باوجود جہانگیر سازشی امراء کے فریب میں آ گیا اور اس سازش میں نور جہاں بھی شامل تھی۔ اسے حضرت مجدد صاحب کے خلاف بھڑکایا گیا چنانچہ وہ تزک میں لکھتا ہے کہ:

"شیخ احمد نامی ایک مکّار نے سرہند میں بکمر و فریب کا جال بچھا کر بہت سے ظاہر پرستانِ بےمعنی کو شکار کر کے اپنے مریدوں میں سے ایک ایک کو جو دوکان آرائی، معرفت فروشی اور مردم فریبی میں بمقابلہ دوسروں کے پختہ ہیں۔ ہر ایک شہر اور قصبہ میں بھیج رکھا ہے۔ اور اپنے مریدوں اور معتقدوں کے نام کچھ چکنی چپڑی باتیں لکھ کر ایک کتاب مرتّب کی ہے جس کا نام مکتوبات رکھا ہے۔"

بالآخر بادشاہ کو یقین دلایا گیا کہ شیخ احمد حکومت کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ چنانچہ جہانگیر نے قلعہ گوالیار میں مجدد صاحب کو قید کرنے کا حکم دیا۔ جہاں تقریباً ۲ سال قید رہے۔ اس عرصے میں اُن کے حسنِ اخلاق اور دعوت و تبلیغ سے قلعہ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ اس عرصہ میں آپ نے جس صبر و استقامت کا ثبوت دیا وہ بے مثال ہے۔ آپ کے مریدین اور خلفاء نے ہر چند باطنی تصرّفات کے ذریعے، یا بددُعا کے ذریعے بادشاہ سے انتقام لینے کی اجازت چاہی۔ لیکن آپ نے ہرگز اجازت نہ دی اور فرمایا کہ اس قید میں مجھ پر جو اسرار و مقامات کھلے ہیں۔ اُنکی وجہ سے بادشاہ اور اس کے اُمراء میرے بے حد شکریہ کے مستحق ہیں۔ بہر حال قید سے رہائی کے بعد بادشاہ نے نگرانی کی غرض سے آپ کو کچھ عرصہ اپنے پاس رکھا۔ جس میں آپ کو براہِ راست بادشاہ کو نصیحت و موعظت کرنے کا موقعہ میسّر آتا رہا۔ مجدد صاحب نے اپنے صاحبزادگان کو بھی بلا لیا۔ یوں پورا خاندان بادشاہ، امراء اور اہلِ لشکر کی اصلاح میں مصروف ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد واپس سرہند جانے کی اجازت ملی۔

آپ نے ۱۰۳۴ھ میں انتقال کیا لیکن اس عرصے میں آپکی طویل جدوجہد کے سبب اب شاہی خاندان کے بہت سے لوگ اور شہزادے وغیرہ ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو چکے تھے۔ ۱۰۳۷ھ میں جہانگیر کا انتقال ہوا۔ مجدد صاحب کے انتقال کے وقت اورنگ زیب عالمگیر کی عمر سات سال تھی جہانگیر کے زمانہ حکومت میں فتنۂ اکبری دب گیا۔ شاہجہان کے عہد میں صورتِ حال یہ ہو گئی کہ جنگیں کشور کشائی کے لئے نہیں بلکہ رضائے الہیٰ کے لئے لڑی جانے لگیں۔ اور اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ تو وہ

بادشاہ تھا کہ مرنے کے بعد وصیّت کی کہ :

"چار روپیہ دو آنے جو ٹوپیوں کی سلائی سے حاصل ہوئے تھے۔ محل دار کے پاس ہیں ان میں تجہیز وتکفین ہو۔ تین سو پانچ روپیہ قرآن نویسی کی اُجرت کے صَرفِ خاص کے مد میں محفوظ ھیں۔ وفات کے روز مساکین میں تقسیم ہوں۔"

اس طرح مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں اپنی تریسٹھ سالہ زندگی ہندوستان کو کفر کی تاریکی سے نکال کر اسلام کی روشنی میں لانے کی کوششوں میں صرف فرمائی۔ یہاں تک کہ عوام، اہلِ معرفت لشکری، امراء اور بادشاہ سب کے سب اسلام کے حامی اور محافظ بن گئے۔

قوموں کے اعمال اور اُنکے نتائج

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ مَا ظَهَرَ الْغُلُوْلُ فِيْ قَوْمٍ اِلَّا اَلْقَى اللهُ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ وَلَا فَشَا الزِّنَا فِيْ قَوْمٍ اِلَّا كَثُرَ فِيْهِمُ الْمَوْتُ وَلَا نَقَصَ قَوْمٌ الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِلَّا قُطِعَ عَنْهُمُ الرِّزْقُ وَلَا حَكَمَ قَوْمٌ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا فَشَا فِيْهِمَا الدَّمُ وَلَا خَتَرَ قَوْمٌ بِالْعَهْدِ اِلَّا سُلِّطَ عَلَيْهِمَا الْعَدُوُّ (رواہ مالک مشکوٰۃ باب تغیر الناس ص۴۵۹)

ترجمہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

جب کسی قوم کے اندر امانتوں میں خیانت کی عادت پیدا ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اُس سے جرأت چھین لیتا ہے اور وہ بُزدلی کا شکار ہوجاتی ہے۔ اور جس قوم میں بدکاری (زنا) پھیل جائے تو اس قوم کی نسل ختم ہونے لگ جاتی ہے (نسب تباہ ہوجاتا ہے) اور جب کوئی قوم ماپ تول میں کمی کرنے لگ جائے تو اس سے خوشحالی رُخصت ہوجاتی ہے (مہنگائی کا عذاب نمودار ہوجاتا ہے) اور جو قوم حق کے خلاف فیصلے کرانے لگے تو اس میں قتل وغارت اور خونریزی راہ پاجاتی ہے۔ (حق تلفی کے خلاف احتجاج اور ہڑتالوں کا مظاہرہ ہونے لگتا ہے) اور جب کوئی قوم بدعہد ہوجائے تو اس پر دُشمن مسلّط کردیا جاتا ہے۔ (خاموش مبلّغ ملتان)

احمد پور شرقیہ
نمائندہ خصوصی

کیا احسان احمد سحر مرزائی ہیں ؟

"احسان احمد سحر" احمد پور شرقیہ کے صحافتی اور تعلیمی حلقوں میں ایک معروف نام ہے۔ وہ ایک ہفت روزہ "نوائے احمد پور شرقیہ" کے ایڈیٹر بھی ہیں اُن کے متعلق ایک عرصہ سے یہ تأثر پلا آرہا ہے کہ وہ مرزائی ہیں۔ ان دنوں عوامی حلقوں میں اُن کے متعلق مختلف سوالات زیر بحث ہیں۔ ہم کسی مسلمان کو مرزائی بنا کر خوشی محسوس نہیں کرتے بلکہ مرزائی کو مسلمان بنانا توشۂ آخرت سمجھتے ہیں۔ درج ذیل چند واقعاتی شہادتوں کے پیشِ نظر "احسان احمد سحر" اِن کی وضاحت و تردید کر کے تمام مسلمانوں کو مطمئن کریں۔

(۱) ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے دِنوں میں احمد پور شرقیہ سے حضرت مولانا محمد عبداللہ کی کتاب "اسلام اور مرزائیت" کے نام سے شائع ہوئی جس کا جواب بشیر احمد سوز قادیانی نے تحریر کیا جو احسان احمد سحر کے سگے ماموں ہیں اور پروفیسر بھی رہ چکے ہیں۔ ایس ای کالج ڈیرہ نواب صاحب میں قیام کے دَوران انہوں نے مرزائیت کی تبلیغ کی سٹاف نے ان کی شدید مخالفت کی اور معاملہ سنگین صورت اختیار کر گیا۔ اس پر کالج سے اُن کا تبادلہ کر دیا گیا۔

(۲) پرنس صلاح الدین عباسی ایم۔این۔اے کے والد نواب محمد عباس عباسی مرحوم چہلم کے موقع پر احسان احمد سحر بہاولپور سے ایک مرزائی مبلغ کو دعا کے لئے ساتھ لائے۔ لوگ اُسے پہچانتے ہی مشتعل ہو گئے اور اُسے صادق پیلس سے نکال دیا۔

(۳) احسان احمد سحر نے اپنی "مرزائیت" کو چھپانے کے لئے محاسبۂ قادیانیت کے ایک سرخیل "ہفت روزہ چٹان" لاہور کی نمائندگی حاصل کی۔ اور اس سے دوہرا فائدہ حاصل کیا۔

۱۔ اپنے آپ کو مسلمانوں کے تعاقب سے محفوظ کیا۔

۲۔ احمد پور شرقیہ میں "چٹان" کی سرکولیشن کو نہ ہونے کے برابر کر دیا۔ پہلے ایک سَو پرچے آتے تھے اب صرف آٹھ۔

احسان احمد سحر اگر مرزائی نہیں تو اِن الزامات کی مُدلل تردید کے ساتھ درج ذیل حلف نامہ پر دستخط کر کے مسلمانوں کو مطمئن کر دیں۔

(بقیہ صفحہ ۳۰ پر)

قریہ قریہ سوگوار

شہر شہر احتجاج

(نمائندہ خصوصی)

- شہیدِ ناموسِ صحابہؓ مولانا حق نواز جھنگوی کا قتل عجمی مشرکوں اور سبائی ایجنٹوں کی سازش کا نتیجہ ہے۔
- احسان الٰہی ظہیر، حبیب الرحمٰن یزدانی، سید منظور الحسن ھمدانی، اور فیض عالم صدیقی کے قاتل اپنے انجام کو پہنچ جاتے تو یہ سانحہ رونما نہ ہوتا۔
- علماء کے قتل کا سلسلہ جاری رہا تو ملک خانہ جنگی کا شکار ہو جائیگا
- خانہ فرہنگِ ایران کی فرقہ وارانہ سرگرمیوں پر پابندی عائد کی جائے

انجمن سپاہِ صحابہ پاکستان کے سرپرست حضرت مولانا حق نواز جھنگوی رح ۲۲ فروری کی شام عجمی مشرکوں اور سبائی ایجنٹوں کی سازش کا شکار ہو گئے۔ وہ اپنے گھر سے عشاء کی نماز کے لئے نکلے ہی تھے کہ دشمنانِ ازواج و اصحابِ رسول ان پر ٹوٹ پڑے، گولیوں کی بوچھاڑ کر دی اور مولانا حق نواز، دینِ حق پر نثار ہو گئے ــــ وہ ایک جرأت مند اور حق گو مبلغ اسلام تھے اور دفاعِ ازدواج و اصحاب رسول علیہم السلام انکی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا اپنی حیاتِ مستعار میں اس عظیم مشن کے لئے بڑے مصائب برداشت کئے بہت کم وقت میں انہوں نے نوجوانوں میں دفاعِ صحابہؓ کے لئے زبردست جذبہ بیدار کیا اور دشمنانِ صحابۂ کرام، خبیثانِ عجم کی اسلام دشمن سازشوں کو طشت ازبام کیا مولانا کو اسی جرم بے گناہی کا سزاوار ٹھہرا کر شہید کر دیا گیا ــــ اس ظالمانہ قتل پر پورا ملک سراپا احتجاج بن گیا۔ مختلف شہروں میں زبردست ردِّ عمل کا اظہار کیا گیا۔ گو مقدمہ کے نامزد چاروں ملزم گرفتار ہو چکے ھیں لیکن احتجاجی سلسلہ ہنوز جاری ہے، مولانا کا قتل یقیناً ایک بہت بڑا سانحہ ہے جس سے اہلِ سنت کی اجتماعی جدوجہد کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔

ملتان اس سانحہ کی اطلاع ملتے ہی مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے مرکزی دفتر (ملتان) میں سوگواروں کا تانتا بندھ گیا، ہر شخص اشکبار تھا۔ مجلس احرارِ اسلام کے مرکزی جنرل سیکرٹری ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری جنازہ میں شرکت کے لئے جھنگ تشریف لے گئے۔ انہوں نے بتایا کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہر شخص غم کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ ملتان میں مختلف دینی و سیاسی جماعتوں کے ایک مشترکہ اجلاس میں احتجاجی جلسہ و جلوس کا پروگرام طے کیا گیا اور ۲۵ فروری کو ملتان میں ہڑتال کی اپیل کی گئی۔ لوگوں نے احتجاج میں بھرپور شرکت کرتے ہوئے مکمل ہڑتال کی۔ چوک گھنٹہ گھر میں زبردست احتجاجی جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں مولانا سید عطاء المحسن بخاری، قاری محمد حنیف جالندھری، ملک وزیر غازی ایڈووکیٹ، حکیم محمود خان، اور دیگر رہنماؤں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ مولانا حقنواز شہید کے قاتلوں کو جلد کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے۔ سید عطاء المحسن بخاری نے کہا کہ ہمارے دل زخمی ہیں لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اب حق نواز کا مشن ختم ہو جائے گا۔ ہم اس مشن کو زندہ و تابندہ رکھیں گے

۲ مارچ کو دارِ بنی ھاشم میں ایک بہت بڑا احتجاجی جلسہ قبل از نمازِ جمعہ شروع ہوا جو نمازِ عصر تک جاری رہا۔ جلسہ کا اہتمام مجلس احرارِ اسلام نے کیا۔ جس میں مولانا سید عطاء المحسن بخاری مولانا عبدالستار تونسوی، سید عطاء المومن بخاری، سید خورشید عباس گردیزی، علامہ خالد محمود، مولانا عبدالغفار تونسوی، قاری محمد حنیف جالندھری، مولانا سلطان محمود ضیاء، مولانا عطاء الحق — اور مولانا محسن رضا نے خطاب کیا۔ مقررین نے کہا، کہ مولانا حق نواز جھنگوی شہیدِ ناموسِ صحابہ ھیں اور اُن کے قاتل وہی ہیں جو صحابہ کرام کے دشمن ھیں۔ جن لوگوں نے ماضی میں حکیم فیض عالم صدیقی، علامہ احسان الٰہی ظہیر (اور اُن کے ساتھی) سید منظور الحسن ھمدانی اور مولانا احسان اللہ فاروقی کو شہید کیا وہی مولانا حقنواز جھنگوی کے قاتل ھیں۔ اگر ماضی میں شہید ہونے والے علماء کے قاتل کیفرِ کردار تک پہنچ جاتے تو یہ سانحہ نہ ہوتا۔ انہوں نے واضح طور پر کہا کہ ایران ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کر رھا ہے اور اس کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان اُس کا ایک ماتحت صوبہ ہے۔ خانہ فرہنگِ ایران پاکستان میں سُنی و شیعہ فسادات میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ حکومت اُسکی سرگرمیوں پر پابندی عائد کرے۔ انہوں نے کہا کہ اھلِ سنت پاکستان میں اکثریت میں ھیں۔ یہاں پر کوئی فیصلہ ایسا نہیں ہونے دیا جائے گا جس سے اکثریت کے حقوق پامال ہوں۔ عجمی سازشوں کے ذریعہ پاکستان کی سلامتی اور امن کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ یہاں فرقہ وارانہ فسادات کی آڑ میں علماء کو قتل کیا جا رھا ہے جس کا منطقی نتیجہ خانہ جنگی

ہے جو نظریہ پاکستان اور ملکی مفاد کے خلاف بہت بڑی سازشس ہے۔ ایک اقلیتی طبقہ ہمسایہ ملک ایران کی شہہ پر ملک کے حالات خراب کر رہا ہے اور قوم کی اجتماعیت کو منتشر کر کے ملک کے اقتدار پر شب خون مارنا چاہتا ہے ہم اس سازشس کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ صحابہ کرام کی عزت و حرمت کا تحفظ ہم مسلمانوں کا جزو ایمان ہے جسے ہر قیمت پر بچایا جائے گا۔

اھل سنت کے تمام مکاتبِ فکر دیوبندی، بریلوی، اھلِ حدیث ملک میں قرآن و سنت کے نفاذ اور ناموسِ ازواج و اصحاب رسول علیہم السلام کے تحفظ کے لئے متحد ھیں انہوں نے کہا کہ ہم مولانا حق نواز جھنگوی کے ظالمانہ قتل پر سیاسی مفاد پرستوں کو سازشوں کا موقع نہیں دیں گے، ہم مرکز اور پنجاب دونوں سے مطالبہ کرتے ھیں کہ وہ قاتلوں کو جلد کیفرِ کردار تک پہنچائے۔

بہاولپور: مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے مرکزی امیر جناب محمد حسن چغتائی مدظلہٗ نے مولانا کے قتل کو غیر ملکی سازشس قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اِس قسم کے بُزدلانہ ہتھکنڈوں سے نظریاتی جدوجہد کو سبوتاژ نہیں کیا جاسکتا۔ مولانا حق نواز کا مشن پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ جاری رہے گا۔

رحیم یار خان: مجلسِ احرارِ اسلام کے رہنما حافظ محمد اشرف اور عبدالرحیم نیاز چوہان نے مولانا حق نواز شہید کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا، مقامی دینی و سیاسی جماعتوں اور انجمن سپاہِ صحابہ کے مشترکہ احتجاجی جلوسس میں انہوں نے کہا حق پرست اور نظریاتی لوگ روزِ اول سے قربانی دیتے آئے ھیں۔ مولانا حق نواز نے تحفظ مقامِ صحابہ کے لیے جان قربان کر کے جدوجہد کو تیز تر کر دیا ہے، حکومت اُن کے قاتلوں کو فوراً عبرتناک سزا دے۔

چیچہ وطنی: مجلسِ احرارِ اسلام، انجمن سپاہِ صحابہ اور مقامی دینی و سیاسی جماعتوں کے کارکنوں نے مشترکہ احتجاجی جلوسس نکالا، جس سے مقامی رہنماؤں اور علماء نے خطاب کیا۔ مجلس احرارِ اسلام کے سیکرٹری نشر و اشاعت عبداللطیف خالد چیمہ نے حکومت کو خبردار کرتے ہوئے کہا کہ علماء کے قتل سے ملک میں زبردست بحران پیدا ہوگا، اور احتجاج اگر غلط رنگ اختیار کر گیا تو حکومت بے بس ہو کر رہ جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ گزشتہ کئی برسوں سے ایک اقلیتی طبقہ ملک کی غالب اکثریت پر ظلم کر رہا ہے، ایک تسلسل کے ساتھ علماء کو قتل کیا جا رہا ہے، مولانا حق نواز شہید بھی اسی طبقہ کے ظلم کا نشانہ بنے۔ لیکن اب پانی سر سے گزر چکا ہے اھلِ سنت مولانا کے قاتلوں کو انجام تک پہنچا کر دم لیں گے۔

میلسی : مجلسِ احرارِ اسلام کے مرکزی نائب صدر سید عطاء المومن بخاری نے یہاں ایک ہنگامی پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا حق نواز کے قتل کو قومی سانحہ قرار دیا ۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کا ہر ذی شعور شخص خوب جانتا ہے کہ حق نواز کے قاتل کون ھیں ۔ حکومت بھی اُن سے لاعلم نہیں لیکن اب حکومت کو اس سازش کو بے نقاب کرنا پڑے گا ۔ انہوں نے کہا کہ مولانا حق نواز ناموسِ صحابہ کرام رضؓ کے دِفاع کا جو جذبہ بیدار کر گئے ہیں اُسے ٹھنڈا نہیں ہونے دیا جائیگا ۔ علماء متحد ہوتے تو حق نواز کبھی نہ مرتا ۔ مولانا حق نواز علماء کے باہمی انتشار کی بھینٹ چڑھ گئے ۔

انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ علامہ احسان الٰہی ظہیر، حکیم فیض عالم صدیقی، سید منظور الحسن عمدانی اور مولانا حق نواز کے قاتلوں کو سزا دیجائے اور پسِ منظر میں سازشی قوت کو قوم کے سامنے بے نقاب کی جائے ۔

ڈیرہ اسمٰعیل خاں : ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں مولانا کے قتل پر مکمل ہڑتال کی گئی اور زبردست احتجاجی جلسے جلوس منعقد ہوئے مجلسِ احرارِ اسلام، انجمن سپاہِ صحابہ اور دیگر دینی و سیاسی جماعتوں کے کارکنوں نے مولانا حق نواز شہید کے قاتلوں کی سزا کا مطالبہ کیا ہے ۔

مولانا سید عطاء المومن بخاری نے ایک بڑے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ حق نواز کو اپنے راستے کی رکاوٹ سمجھتے تھے اُنہیں جان لینا چاہیئے کہ دفاعِ صحابہؓ کا ہر کارکن حق نواز ہے ۔ اھلِ سنت کسی اقلیت کو ملک پر مسلط نہیں ہونے دیں گے ۔ انہوں نے کہا کہ قیامت کے دِن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کی بارگاہ میں حق نواز کی مغفرت کی سفارش کریں گے ۔

چکڑالہ : مجلسِ احرارِ اسلام کے رہنما جناب کپتان غلام محمدؒ نے مولانا کی شہادت پر گہرے غم کا اظہار کیا ہے ۔ انہوں نے کہا ہے کہ مولانا ایک غیرت مند اور بہادر مسلمان تھے ۔ عظمتِ صحابہ کے لئے ان کی خِدمات ناقابلِ فراموش ھیں ۔

چکڑالہ اور میانوالی میں بڑے احتجاجی جلوس نکالے گئے ۔ جناب کپتان غلام محمدؒ نے مولانا کے ایصالِ ثواب کے لئے ختمِ قرآنِ کریم کا اہتمام کیا ۔ انہوں نے اھلِ سنت عوام سے اپیل کی کہ وہ عظمت و حرمت صحابہ کے لئے متحد ہو جائیں ۔

تلہ گنگ : جامع مسجد سیدنا ابوبکر صدیق میں مولانا محمد مغیرہ نے خطاب کرتے ہوئے مولانا حق نواز جھنگوی کے بہیمانہ قتل کو سبائیوں کی شرمناک سازش قرار دیا ۔ انہوں نے کہا کہ مولانا کا مشن زندہ رہیگا

علاوہ ازیں مجلس احرار کے کارکنوں نے اپنے ایک اجلاس میں حکومت سے مطالبہ کیا کہ قاتلوں کو فی الفور سزا دیجائے اور پس منظر میں اصل مجرموں کو بے نقاب کیا جائے ۔

گڑھا موڑ : مجلسِ احرارِ اسلام کے مرکزی رہنما مولانا محمد اسحٰق سلیمی نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ چودہ سو سال سے خیثیانِ عجم اور یہودان خیبر اسلام کے خلاف اسی قسم کی سازشوں میں مصروف ہیں ، مولانا حق نواز کا قتل عجمی اور یہودی سازشیوں کا بھیانک کردار ہے ۔

گڑھا موڑ میں انجمن سپاہِ صحابہ ، مجلسِ احرارِ اسلام اور دیگر جماعتوں کے کارکنوں نے زبردست احتجاجی مظاہرہ کیا اور مولانا کے مشن کو جاری رکھنے کا عہد کیا ۔

لاہور : مجلسِ احرارِ اسلام لاہور کے رہنماؤں قاری محمد یوسف ، ظفر اقبال فاروقی ، رانا محمد فاروق اور میاں محمد ادریس نے ایک مشترکہ بیان میں اس بزدلانہ اقدام کی شدید مذمت کی شہر میں احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ جاری ہے ، مجلسِ احرارِ اسلام ، انجمن سپاہِ صحابہ ، اور دیگر جماعتوں کے کارکن سراپا احتجاج ہیں ، مظاہرین نے عہد کیا ہے کہ حق نواز شہید کا پیغام گھر گھر پہنچایا جائے گا ۔

مسلکِ حنفیہ اہلِ سُنّت والجماعت کی عظیم دینی درسگاہ !

مدرسۃ العلوم الاسلامیہ (رجسٹرڈ)

بخاری نگر — گڑھا موڑ — ضلع وہاڑی

بانی : ابن امیرِ شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المھیمن بخاری مدظلہ

● بیس ۲۰ سال سے علاقہ میں معیاری تعلیمی ، تبلیغی اور تعمیری جدوجہد میں سرگرمِ عمل ہے ● پانچ ۵ سال سے شعبۂ خواتین "مدرسۃ البنات" کے نام سے سرگرمِ عمل ہے جس میں دو ۲ معلمات مستقل تدریس میں مصروف ہیں ۔

● مدرسہ سے قریباً پانچ سو طلباء وطالبات حفظِ قرآنِ کریم کی دولت سے مالا مال ہو کر تدریس و تبلیغ میں مصروف ہیں

● جامع مسجد اور مدرسہ کی تعمیر جاری ہے ۔ اہلِ خیر توجہ فرمائیں

محمد اسحٰق سلیمی مہتمم مدرسۃ العلوم الاسلامیہ " بخاری نگر ، گڑھا موڑ تحصیل میلسی ضلع وہاڑی : فون نمبر ۱۳

تلہ گنگ
واصف ربانی

• عالمِ کفر — اسلام کی طرف آرہا ہے اور مسلمان غفلت کا شکار ہیں۔

• افغانستان اور کشمیر پکار کر گواہی دے رہے ہیں کہ :

"بے شک طاغوت مٹنے ہی کے لئے ہے۔"

• پاکستان کی یکجہتی اور سلامتی کو صرف حکمرانوں کی ہوسِ اقتدار سے خطرہ ہے۔

سید عطاء المؤمن بخاری مدظلہٗ کا دورۂ میانوالی و تلہ گنگ

ضلع میانوالی کا پس منظر بڑا ہی عجیب ہے۔ میانوالی، اٹک، سرگودھا، راولپنڈی کا علاقہ انگریز سامراج کے لئے حقیقی معنوں میں، سونے کی چڑیا رہا ہے۔ فوجی بھرتی کا مسئلہ ہو یا انگریزوں کی وفاداری کا، یہ زمین ہمیشہ سرِتسلیم خم کئے فیاض و مہربان رہی ہے۔ خدائے بزرگ و برتر کی قدرت پہ قربان جائیے کہ اسی علاقہ میں فدائے احرار مولانا گل شیر خان شہیدؒ جیسی ہستی نے فرنگی استبداد، ہندو رام راج اور وڈیرہ شاہی پر وہ ضربِ کاری لگائی جس کے نتیجے میں آزادی کی تحریک شعلہ جوالا بن کر اُبھری اگرچہ مولانا شہیدؒ کی جان اسی عزیمت کے رستے میں قربان ہوئی مگر آپ کی بھڑکائی ہوئی آگ نے فرنگی فلک بوس محلوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ ہندو کو بھاگتے ہی بنی اور زمینداری نظام مفلوج ہو کر رہ گیا۔ جس کی واضح مثال نوابزادگانِ کالا باغ اور بنی افغاناں کے درمیان روز بروز کی جھڑپیں اور ملک مظفر خان کا قتل ہے۔

چکڑالہ ضلع میانوالی کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ مشہور منکرِ حدیث مولوی عبداللہ چکڑالوی نے یہیں پر جنم لیا۔ فاتح قادیان مولانا عنایت اللہ چشتی مدظلہٗ اور مناظرِ اہلِ سنت مولانا اللہ یار خاں مرحوم بھی اسی دھرتی کے فرزند ہیں۔

کپتان غلام محمد صاحب کا مولد و مسکن بھی یہیں ہے آپ حضرت امیر شریعتؒ کے خادمِ خاص، مولانا گل شیر مرحوم کے خطاب یافتہ "کپتان" اور علاقہ بھر میں مجلسِ احرار کے روح و رواں ہیں۔ آپ اپنی پیرانہ سالی

اور ناتوانی کے باوجود ہر وقت احرار کی مختلف مقامات پر تنظیم و ترتیب اور اس کے پیغام کو عام کرنے میں ہر وقت متحرک و کوشاں رہتے ھیں جس کی بدولت آپ نے بہادر نوجوانوں کی ایک مضبوط کھیپ تیار کر لی ہے اللہ پاک آپکا سایہ احرار پر تادیر سلامت رکھے۔ آمین!

گزشتہ دنوں عالمی مجلس احرار اسلام پاکستان کے مرکزی نائب صدر ابن امیر شریعت سید عطاء المومن بخاری مدظلہ، جناب کپتان غلام محمد صاحب کی دعوت پر چکڑالہ ضلع میانوالی کے دورہ پر تشریف لائے اور مسجد سفید میں بعد نماز ظہر خطاب فرمایا سٹیج پر جناب مولانا عبیداللہ داماد و جانشین مولانا اللہ یار خان مرحوم اور قاری محمد مغیرہ صاحب مبلغ و خطیب مجلس احرار اسلام تلہ گنگ تشریف فرما تھے۔

شاہ جی نے فلسفہ نماز پر مدلل خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ دین مسلمانوں کا اجتماعی معاملہ ہے انفرادی نہیں، دین مسلمانوں سے ہر طرح کی قربانی کا تقاضیٰ کرتا ہے، جان مال اور وقت — یہ تینوں اشیاء جس مقصد کے لیئے صَرف کی جائیں گی، وہ کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔

نماز مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کبریٰ ہے، صرف نماز کو شرائط و فرائض سے ادا کر لینا نماز کا مقصد نہیں، بلکہ نماز تقاضیٰ کرتی ہے کہ آدمی ہر قسم کی برائیوں نافرمانیوں اور سرکشیوں سے اجتناب کرے۔ اصل عبادت تو معاملات ھیں، سید عطاء اللہ شاہ بخاری فرمایا کرتے تھے کہ پانچ وقت کی نماز پڑھنے کے لئے زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے درکار ہوتے ھیں، اگر آدمی یہ سوچ لے کہ میں نماز پڑھ کر تمام فرائض سے سبکدوش ہوگیا ہوں تو یہ محض خام خیالی اور جہالت ہے چوبیس گھنٹوں میں سے دو گھنٹے عبادت کے لئے نکال دینے سے بائیس گھنٹے بچ جاتے ھیں، ان میں انسان کی اصل شخصیت اور کردار کھل کر سامنے آتا ہے اور اس کی باز پرس سب سے زیادہ ہوگی۔

آپ نے ملک میں دین کے نام پر افتراق و انتشار پیدا کرنے والے مذہبی جتھوں کی پرزور مذمت کی گجرات میں دو گروہوں کے درمیان ہونے والی خونریز لڑائی پر گہرے دکھ کا اظہار کیا اور فرمایا کہ دین کا نام لینے والوں کو اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہیئے کہ وہ غیر مسلم اقوام کے سامنے کس کردار اور اخلاق کا ثبوت دے رہے ھیں، اللہ ہمیں ہدایت کی دولت سے سرفراز فرمائے آمین!

چلڑ الہ میں حافظ شمس الدین ، ابیر عسر ، فیاض حسین اور دیگر کارکنان احرار نے اِس پروگرام میں سرگرمی سے حصّہ لیا ۔ اور تمام انتظامات وانصرام میں بھرپور شرکت کی ۔ بعدازاں شاہ جی مدظلہٗ چکڑالہ سے تلہ گنگ تشریف لائے ۔ مسجد سیدنا ابو بکر صدیق میں پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا ، اس موقع پر گل شیر رح اکیڈمی کے سربراہ محمد فاروق عمرؓ صدرِ احرار تلہ گنگ حاجی رفیق غلام ربانی ، قاری محمد مغیرہ ، غلام شبیر چودھری ، محمد اشفاق اور شیخ نعیم اصغر بھی موجود تھے ۔

اخباری نمائندوں کے سوالات کے جواب میں شاہ جی مدظلہٗ نے مرکز اور پنجاب کی کشمکش کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ :

" دونوں حکومتیں محض ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے امن و امان کا مسئلہ پیدا کر کے بے گناہ عوام کو مار اور مروا رہی ھیں ۔ اسکی جتنی مذمت کی جائے کم ہے ۔ ہوسِ اقتدار کے ان پجاریوں ، ایمان و یقین کے ڈاکوؤں اور لوگوں کی عزت و آبرو کے لیٹروں سے جان چھڑانے کا ایک ہی راستہ ہے کہ ملک کی تمام دینی قوتیں متحد ہو کر اس ملک میں اسلامی نظام کے کیلئے اسلام کے دیئے ہوئے خطوط پر جدوجہد کریں اور اپنے آپ کو منظم کریں ۔ اس دَور میں عالمِ اسلام اور خاص طور پر پاکستانی مسلمانوں کے لئے سوچنے کا مرحلہ آیا ہے کہ عالمِ کفر اسلام کی طرف آ رہا ہے اور مسلمان اسلام سے غافل ہوتے جا رہے ھیں اور دِل میں یہ تمنا لئے بیٹھے ھیں کہ اسلامی اعمال سے موعودہ خوشیاں اور راحتیں بغیر عمل کے نصیب ہو جائیں گی ۔ حالانکہ یہ وقت ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھنے کا نہیں بلکہ فکر و عمل کا ہے اور یہ وہ لمحہ موجود ہے جو بہت جلد ماضی بننے والا ہے ۔ اگر وقت کی اس پکار اور زندگی کے اس موڑ پر کوئی عملی اور مثبت قدم نہ اُٹھایا گیا تو ہمیشہ کے لئے ذلت و رسوائی ہمارا مقدر ہو گی آپ نے کشمیر کے حالیہ واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کشمیری مجاہدین اسلام کی جنگ لڑ رہے ھیں مسلمانوں کو کشمیری بھائیوں کے ساتھ جذبۂ اخوت و محبت کا بھرپور اظہار اور ہر ممکنہ مدد کرنی چاہیئے ۔ آپ نے وہاں کے مسلمانوں پر مظالم کی شدید مذمت کی ۔ اور کشمیری مسلمانوں کے حق خود ارادیت کی بھرپور تائید کی ۔ آپ نے فرمایا کہ کشمیری مسلمانوں کی اس قربانی کو اپنے سیاسی اقتدار اور الیکشن کی کامیابی کے لئے استعمال کرنے والوں کی شدید مذمت کرنی چاہیئے ۔ کشمیر کا مسئلہ ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے ۔ پاکستان کو عالمی سطح پر کشمیر کی حقیقت کو منوانے کے لئے ہندوستان پر مسلسل دباؤ ڈالنا چاہیئے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں مسئلہ افغانستان کو بھی کسی لمحے نہیں بھولنا چاہیئے ۔ پاکستان کے جغرافیائی اور نظریاتی استحکام کی بنیاد افغانستان میں اسلامی حکومت

یعنی مجاہدین کی حکومت کے قیام پر ہے ۔حکومت اور لادین سیاستدان افغانستان کے مسئلے کو امریکہ اور روس کے مفادات کے تحت اُلجھانے کی کوشش کر رہے ھیں ۔اس وقت پاکستان کی تمام دینی جماعتوں کو ان تمام سازشوں کو ناکام بنانے کیلئے متفقہ طور پر مجاہدین کے ساتھ ہر قسم کی وابستگی کا اظہار کرنا ضروری ہے تاکہ مجاہدین کی لازوال قربانیاں اور بے نظیر مساعی رنگ لاسکیں اور افغانستان میں اسلام کے عادلانہ نظام کا عملی نفاذ ہو سکے ۔

مشرقی یورپ میں ہونے والی حالیہ تبدیلیوں کے بارے میں آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ اب وقت بے طرح تبدیل ہو چکا ہے ۔ پوری دنیا میں غیر فطری نظاموں سے نفرت و بیزاری پیدا ہو چکی ہے دنیا کے اکثر ممالک میں یہ دیکھنے میں آ رہا ہے کہ بے شمار لوگ دہریت وعیسائیت کی دونوں صورتوں کو چھوڑ کر دیگر مذاہب کی طرف مائل ہو رہے ھیں ۔مادی ترقی کے جس رجحان نے انسان کو ذہنی و رُوحانی کرب میں مبتلا کیا ہے انسان اسکی تسکین کے لئے مذہب کی طرف رجوع کر رہے ہیں ۔جن کی اکثریت اسلام کی طرف مبذول ہو رہی ہے ۔ اسلام قبول کرنیوالوں میں بڑے بڑے دانشور ، سائنسدان اور مفکرین شامل ھیں ۔

روس بھی اسی طریقے سے سوشلزم اور ویسٹرن ڈیموکریسی کے مقابلے میں زیادہ جابرانہ مزاج رکھتا ہے اس لئے اس کے خلاف ردِّ عمل بھی اتنی ہی شدّت سے ظاہر ہو رہا ہے ۔ جسے دونوں غیر فطری نظاموں کے مقابلے میں انسان کے فطری ردِّعمل کا نام دیا جا رہا ہے ۔اس ردّ عمل کو بغاوت کی صورت دینے میں جہادِ افغانستان کو بنیادی اہمیت حاصل ہے ۔آنے والے دَور کا مورخ جب کمیونزم سے انسان کا فرار یا بغاوت اور اسیطرح مغربی جمہوریت سے روگردانی کی داستان لکھے گا تو اس کا قلم یہ لکھنے پر مجبور ہو گا کہ اس بیداری و بغاوت کا سہرا مسلمانانِ افغانستان یعنی مجاہدین کی استقامت کے سر ہے ۔ مجاہدین کے اس کردار کو اس حد تک مؤثر کرنے میں صدر ضیاء الحق شہید کے کردار کو قطعاً الگ نہیں کیا جا سکتا ۔ انہوں نے جس پامردی اور فکری تدبر کے ساتھ اس محاذ پر استقامت دکھائی اور دنیا کی بڑی طاقتوں کے لالچ اور دھونس ان کو اپنی رائے سے نہ ہٹا سکے ۔اس کے پیچھے انکی بصیرت تھی جو کام کر رہی تھی وہ یہ سمجھتے تھے اور بالکل صحیح سمجھتے تھے کہ افغانستان میں ایک طرف خدا کے ماننے والے بندے اور دوسری طرف باغی بندوں کی برد آزمائی ہے ۔ یہ نہ صرف افغانستان کے باشندوں کے اندر بیداری بلکہ روس اور چین کے رہنے والے مسلمانوں کے لئے بھی جبر و خوف کے نظام کو توڑنے کا حوصلہ پیدا کر دے گی ۔ (بقیہ صـــ ۲۸ ــــ پر)

زیرِ تعمیر:

فون: ۷۲۸۱۳

جامع مسجد ختمِ نبوّت

دارِ بنی ہاشم — مہربان کالونی — ملتان

زیرِ اہتمام: تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت (شعبہ تبلیغ) عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

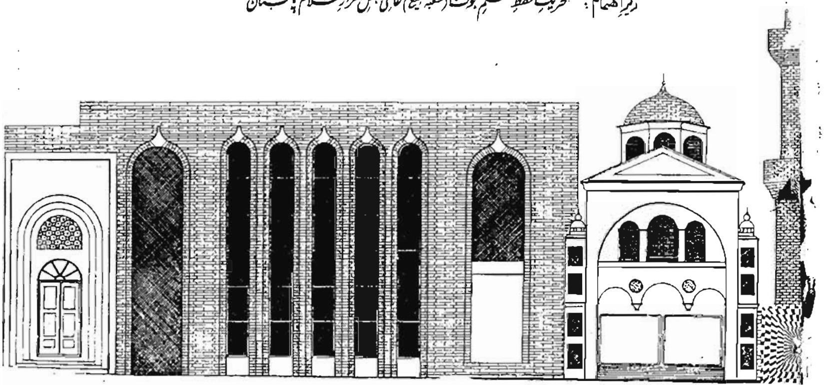

مسجد کی بنیادیں مکمل ہو چکی ہیں، تعمیر کی تکمیل میں بھرپور حصّہ لیں، نقد و سامانِ تعمیر

دونوں صورتوں میں تعاون فرمائیں — ترسیلِ زر کیلئے:

منتظم و متولّی ابنِ امیرِ شریعت سیّد عطاء المحسن بخاری، دارِ بنی ہاشم — ملتان

اکاؤنٹ نمبر: ۲۹۹۳۲، حبیب بنک حسین آگاہی ملتان

Monthly
Phone : 72813
NAQEEB-E-KHATM-E-NUBUWWAT
Regd. L. No. 8755
MULTAN
Vol. 1
No. 3

توحید و ختمِ نبوّت کے علمبردار، ایک ہو جاؤ!

دو روزہ بارہویں سالانہ

شہدائے ختمِ نبوّۃ کانفرنس

زیرِ سرپرستی : قائدِ احرار جانشینِ امیرِ شریعت حضرۃ مولانا سیّد ابو معاویہ ابو ذر بخاری مدظلہ

زیرِ صدارت :
○ شیخ المشائخ خواجہ خان محمّد صاحب مدظلہ
○ حضرۃ محمّد حسن چغتائی مدظلہ

پروگرام : انشاء اللہ

پہلا اجلاس
۲۲ مارچ
بروز جمعرات
بعد نمازِ عشاء

دوسرا اجلاس
۲۳ مارچ
یوم پاکستان
"بعد نمازِ جمعۃ تا عصر" / قبل از نماز

۲۲، ۲۳ مارچ
۱۹۹۰ء
جمعرات، جمعہ

بمقام :
جامع مسجد احرار
ربوہ

خصوصی خطاب :
قائدِ تحریکِ ختمِ نبوّت ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ
ناظمِ اعلیٰ : عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

تحریکِ تحفّظِ ختمِ نبوت (شعبۂ تبلیغ) عالمی مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

رابطہ فون : ملتان ۷۲۸۱۳، ربوہ ۸۸۶، لاہور ۳۰۶۷۴۴۴، چنیوٹ ۳۳۳۲، چیچاوطنی ۲۱۱۲-۲۹۵۳